علویوں کے دعاوی: محمد بن عبداللہ (نفسِ زکیّہ) اور ابو جعفر منصور کی مراسلت کی روشنی میں

محمد رضا تیمور*

This article discusses the origin of Alvis. Why Muslims have this sect. Why some people claim themselves to be more close to the Holy Prophet(PBUH) than others. This tussle to prove that one group is better than others gives origin to sects in Islam. The Holy Prophet (PBUH) was against this sort of superiority among people. According to his saying as quoted by Abu Huraira "Two things are heretic. One is to belittle someone's family background and second is to cry loudly on the death of near-one". But soon after the death of the Holy Prophet (PBUH) his followers started boasting their lineage and belittling others who were not fortunate to be directly linked with the Prophet (PBUH) family or close to it.

This tradition of Muslims still contimues, as they take pride in their families and their lineage. The Holy Prophet (PBUH) is "blessing for whole universe" and he himself was against this sort of pride. He emphasized on practice of good deeds to prove one superiority. But his followers adopted a wrong way to prove their superiority. The importance of this article is based on two letters that were written by Abu Jafar Mansur and Alvi claimer Muhammad bin Abdullah to advocate the superiority of family of people who are direclty related to Hazrat Muhammad (PBUH).

The article focuses on Alvis and their pride to be related to Hazrat Ali (RA) nearer and dearer of Holy Prophet (PBUH).

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ کالج بوریوالہ، پنجاب۔

تعارف

قریش مختلف قبائل کا مجموعہ تھے، جو ایک دوسرے کی ہمسری کا دعویٰ رکھتے تھے۔ پیغمبر اسلام کے بنی ہاشم میں مبعوث ہونے سے جہاں اس قبیلے کو اہمیت ملی، وہاں اس کے روایتی حریف بھی زیادہ نمایاں ہوگئے جن میں بنی امیہ خاص طور پر قابل ذکر تھے، لیکن جب پہلے خلیفہ کی تقرری کے وقت یہ دلیل پیش کی گئی کہ الائمۃ من القریش تو ایک برابری کی فضا پیدا ہوگئی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پہلے دونوں خلفائے راشدین بنی ہاشم اور بنی امیہ میں سے نہیں تھے۔ سیاسی شورش کا آغاز تیسرے خلیفہ حضرت عثمانؓ، جو بنی امیہ سے تھے، کے آخری دور میں ہوا، جس میں وہ شہید ہوگئے۔ چونکہ ان کے بعد منتخب ہونے والے خلیفہ(حضرت علیؓ) بنی ہاشم میں سے تھے لہٰذا دونوں گروہوں میں اختلاف کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ حضرت عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ بنی امیہ کی خلافت پر جب کہ حسینؓ کے قصاص کا مطالبہ بنی عباس کی خلافت پر منتج ہوا۔ خلافت بنی عباس کے قیام پر بنی ہاشم دو گروہوں بنی ابی طالب اور بنی عباس میں تقسیم ہوگئے اور آئندہ کی سیاسی کشمکش کے نشیب و فراز میں یہی تنازعہ کار فرما رہا۔ ابتدائی اسلامی سیاست کو سمجھنے کیلئے اس کشمکش کا صحیح فہم ضروری ہے۔ بنی ابی طالب میں سے حضرت علیؓ اور ان کی اولاد کو سیاسی حوالے سے 'علویہ' سے موسوم کیا جاتا ہے؛[۱] عمومی طور پر انہیں اہل بیت رسول کہا جاتا ہے[۲] جبکہ ان کے پیروؤں کی مذہبی یا مسلکی پہچان شیعہ کی اصطلاح میں سامنے آئی۔ علوی باقاعدہ ایک نظریہ کے تحت خلافت کو اہل بیت رسول کا حق جانتے تھے جو بعد میں شیعہ کے اصول دین کے طور پر سامنے آیا۔ اسے نظریہ امامت کہتے ہیں[۳]، جس کے مطابق حضرت علیؓ خلیفہ بالوصل ہیں۔ اس حوالے سے شیعہ کو امامیہ بھی کہا جاتا ہے۔ بعض شیعہ خلفائے ثلاثہ کی خلافت کے قائل ہیں لہٰذا وہ امامیہ کے زمرے میں نہیں آتے جیسا کہ زیدیہ۔ علویوں کی بنائے دعویٰ میں چھٹے امام جعفر الصادق کا مقام بہت نمایاں ہے۔ ان کے حوالے سے شیعہ یا امامیہ کو جعفری بھی کہا جاتا ہے جو کہ فقہ جعفریہ کے پیروکار ہیں۔ علویوں کے دعاوی اہل بیت کی ہر قسم کی تفضیل و برتری، جس میں خاص طور پر خلافت کے حق کو حضرت علیؓ کی اولاد کے لئے مخصوص کرنا ہے، سے عبارت ہیں۔ علویوں کے دعاوی کی شروعات کب ہوئی، نیز یہ کہ ان کے نمایاں خدوخال کیا تھے اور یہ بھی کہ اسلامی تاریخ پر ان کے کیا اثرات مرتب ہوئے؛ ایک مفصل بحث کے متقاضی ہیں۔[۴] زیر نظر مقالہ میں ان دعاوی کا اختصار سے جائزہ لینا مقصود ہے۔ اس بحث کو ایک قالب (Framework) مہیا کرنے کیلئے دوسرے

عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور اور ایک علوی مدعی خلافت محمد بن عبداللہ المعروف بہ نفس زکیہ کے درمیان۵ خط وکتابت کو بنیا د بنایا گیا ہے۔ اس خط و کتابت کے نکات کی تشریح اور ان پر تبصرہ علویوں کے دعاوی کو ایک جامع صورت میں پیش کرے گا۔ یہ خط و کتابت اس لئے بہت اہم ہے کہ یہ پہلی معلوم دستاویز ہے جس میں علویوں کے مزعومہ دعاوی کا ذکر ملتا ہے۔دوسری بات یہ ہے کہ اس سے قبل علویوں کے دعاوی قصاصِ حسینؓ پر مبنی تھے جبکہ اب ان کی بنا مختلف تھی۔ لہٰذا اس بحث سے نہ صرف علویوں کے دعاوی کے پس منظر و پیش منظر کو جاننے میں مدد ملے گی بلکہ نظریہ خلافت کے خدوخال اور ابتدائی اسلامی دور کی سیاست کا منظرنامہ بھی واضح ہوگا۔

تاریخ نویسی کا تناظر

یہ خط و کتابت علامہ طبری نے اپنی تاریخ میں نقل کی ہے،٦ جو معلومات کے حوالے سے اسلامی تاریخ کا بیش بہا خزانہ ہے۔٧ کتاب کے بقیہ طرز پر انہوں نے مذکورہ مکتوب کی سند کو بھی بیان کیا ہے۔اس سند کی جانچ پڑتال ایک الگ بحث ہے ؛اس خط وکتابت کی ممکنہ صحت کو جانچنے کے لئے ہم اس کے مندرجات کو ہی سامنے رکھیں گے۔ جدید تاریخ نویسی کی داخلی و خارجی تنقید (Internal and External Criticism) کے اصولوں کو بروئے کار لاکر اس کے مندرجات کی صحت کا بڑی حد تک تعین کیا جاسکتا ہے۔اس حوالے سے یہ چیز محال معلوم ہوتی ہے کہ یہ خط وکتابت خود سے کسی نے وضع کی ہویا اس کے بڑے حصے میں ردوبدل یا اضافہ کیا گیا ہو۔اس حوالے سے ایک نکتہ تو یہ ہے کہ اس خط وکتابت کو کچھ اختصار سے بلاذری نے اپنی *انساب الاشراف* میں نقل کیا ہے٨ اور ان کی سند طبری سے الگ ہے۔ثانیاً جن امور کا اس خط وکتابت میں حوالہ دیا گیا ہے ان کی دیگر تواریخ حتیٰ کہ کتب احادیث سے بھی تصدیق ہوتی ہے جس کی توثیق نکات کی تشریح میں ہوجائے گی۔ثالثاً اکثر تواریخ عباسی دور میں مرتب ہوئیں۔ لہٰذا اگر یہ خط و کتابت کسی درباری حکم سے وضع کی گئی ہوتی تو اس میں بنو عباس کی خامیوں کی نشاندہی محال تھی جبکہ اس خط وکتابت میں بنوعباس کی وعدہ خلافیوں کی نشاندہی کی گئی ہے، جس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ اس کا نقل کرنا یا ہونا سرکاری اثرات سے محفوظ تھا۔رابعاً تشیع کے زیر اثر طبری ،ابو جعفر منصور کی طرف سے علویوں پر اٹھنے والے ان اعتراضات کو حذف کرسکتے تھے جو علویوں کے دعاوی کے حوالے سے سنجیدہ قسم کے سوالات اٹھاتے ہیں لیکن طبری کی حد تک یہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے کہ مندرجات کو قطع وبرید کے عمل سے کم ہی

گزارا گیا ہوگا۔ خلاصہ اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ واقعی کسی نے اس خط وکتابت کو وضع کیا ہے تو پھر بھی اس دستاویز کی اہمیت کم نہیں ہوتی کیونکہ اس کے مندرجات سے پتہ چلتا ہے کہ جس کسی نے اسے وضع کیا ہوگا اس کی تاریخ پر گہری نظر تھی اور اس نے اسے مرتب کرنے میں ماقبل کی تاریخوں سے مکمل استفادہ کیا تھا۔ تحقیق کا اسلوب بیانیہ، تجزیاتی اور تشریحاتی ہے۔ خط وکتابت اور اس کا پس منظر بحث کا بیانیہ حصہ ہیں؛ اس کا تجزیہ اس سے الگ کیا گیا ہے جبکہ مختلف نکات کی تشریح حاشیہ میں دی گئی ہے۔

پس منظر

علویوں کی سیاسی جدوجہد کا با قاعدہ آغاز حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کی کش مکش سے ہوا، جب شیعانِ علی اور شیعانِ امیر معاویہ کے نام سے دو گروہ ممتاز ہوگئے۔ شہادتِ حضرت عثمانؓ سے شروع ہونے والے اس اختلاف کا دروازہ حضرت حسنؓ نے بند کر دیا، لیکن امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد حضرت حسینؓ نے یزید کی سیادت کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا اور کوفہ والوں کی دعوت پر خروج کی راہ اپنائی۔ کوفہ والوں نے ابنِ زیاد کے ڈر سے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا اور کربلا میں آپ کی شہادت کا سانحہ پیش آیا۔ اس واقعہ سے نصف صدی بعد اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے دور میں انہی بنیادوں پر اہلِ کوفہ نے حضرت حسینؓ کے پوتے زید بن علی کو خروج کے لئے تیار کیا لیکن عین وقت پر ان کا ساتھ[۹] چھوڑ دیا اور وہ بھی اس جنگ میں شہید ہوگئے۔ اس کے بعد زید بن علی کے بیٹوں کی معمولی بغاوتیں رونما ہوئیں۔

اس سے قبل مختار ثقفی کی تحریک سے علویوں کی سرپرستی حضرت علیؓ کی فاطمی اولاد (زین العابدین) کی بجائے ان کی غیر فاطمی اولاد محمد بن الحنفیہ کی طرف منسوب ہوگئی لیکن مختار اس بنا پر علویوں کے اقتدار کو قائم کرنے میں ناکام رہا۔[۱۰] مختار گو ابن حنفیہ کی ہمدردیاں حاصل نہ کرسکا لیکن اس کی دوہری سیاست نے ابن حنفیہ کے جانشینوں کے لئے سر اٹھانے کی ایک راہ متعین کردی اور وہ تھی امویوں کے خلاف خفیہ تحریک۔ اس سلسلے میں انہوں نے عبداللہ بن عباس کے اخلاف کو اپنے ساتھ ملایا اور عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں دونوں پارٹیوں نے اپنی اس خفیہ تحریک کا آغاز کیا۔ اس تحریک کی سرپرستی محمد بن الحنفیہ کے فرزند ابو ہاشم عبداللہ کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنی وفات کے وقت عبداللہ بن عباسؓ کے پوتے محمد بن علی کو اپنا جانشین مقرر کیا اور اپنے عراقی اور خراسانی اتباع کو ان کی اطاعت کی

تلقین کی۔عباسیوں نے اپنی دعوت ،جو کہ عباسی خلافت کے قیام سے پہلے تک علویوں کے دعاوی پر قائم تھی ،کو مؤثر بنانے کیلئے پوری فراست سے کام کیا اور ہشام کے زمانہ تک اسے خفیہ رکھا۔۱۲۱ھ میں امام محمد بن علی وفات پاگئے اور ان کی جگہ ان کے بیٹے ابراہیم کی بیعت کی گئی۔ہشام کی وفات کے بعد اموی خلافت اضمحلال کا شکار ہوگئی، جس کی وجہ سے عباسی دعوت کو مزید فروغ حاصل ہوا۔اس کے ساتھ ساتھ انہیں ابومسلم خراسانی جیسا ایک جنگجو داعی میسر آگیا، جس نے ملک کی تسخیر میں عباسیوں کی بہت مدد کی۔

بنی امیہ کی خلافت کے خاتمے کے بعد عباسیوں نے زمامِ کار خود اپنے ہاتھ میں لے لی اور علویوں کے دعویٰ کو گول کرگئے۔[۱۱] اس پر محمد بن عبداللہ المعروف بہ نفس زکیہ نے اپنے بھائیوں اور بیٹوں سے مل کر ایک منظم بغاوت کا علم بلند کیا۔[۱۲] ابو جعفر منصور نے ایک خط کے ذریعے نفس زکیّہ کو اس اقدام سے روکنے کی کوشش کی جس کا ترجمہ اس طرح سے ہے۔

منصور کا خط

اللہ کے بندہ عبداللہ امیرالمومنین کی جانب سے محمد بن عبداللہ کو معلوم ہو کہ جو لوگ خدا اور اس کے رسول ﷺ سے لڑتے ہیں اور زمین میں فسا د مچاتے ہیں، ان کی سزا یہ ہے کہ قتل کیے جائیں یا سولی پر لٹکائے جائیں یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف اطراف (یعنی دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں) سے کاٹ دیئے جائیں یا وہ ملک سے نکال دیئے جائیں، ایسے لوگوں کے لئے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور آخرت میں بھی بڑا عذاب ہے۔ہاں جو لوگ قابو پائے جانے سے پہلے ان حرکتوں سے تائب ہوجائیں تو ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ خدا غفور اور رحیم ہے۔(المائدہ-۳۴)[۱۳]

اما بعد! میں خدا اور رسول ﷺ کو درمیان میں ڈال کر اور ان کا واسطہ دے کر عہد کرتا ہوں کہ اگر تم میرے قابو میں آنے سے پہلے اپنی حرکتوں سے توبہ کرکے باز آجاؤ تو میں تمہارے لڑکوں، تمہارے بھائیوں، تمہارے اہل خانہ اور رفقاء سب کی جان بخشی کرتا ہوں۔تم نے جو جانی اور مالی نقصان پہنچایا ہے، اس سے بھی درگزر کروں گا اور دس لاکھ درہم نقد دوں گا۔تمہاری جو ضروریات ہوں گی وہ سب پوری کروں گااور جو مقام تم اپنے لئے رہنے کو پسند کرو گے وہاں قیام کی اجازت دی جائے گی۔تمہارے خاندان کے جس قدر لوگ قید ہیں سب رہا کردیئے جائیں گے۔تمہارے ہاتھ

پر جن لوگوں نے بیعت کی ہے یا کسی حیثیت سے تمہارا ساتھ دیا ہے، سب کی جان بخشی کی جائے گی۔ان میں سے کسی سے بھی مواخذہ نہ کیا جائے گا۔ اگر تم میری ان شرائط پر اطمینان حاصل کرنا چاہتے ہو تو جن کو تم پسند کرو، انہیں بھیج دو وہ آ کر مجھ سے امان نامہ اور عہد و میثاق لے لیں۔

نفس زکیہ کا جواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. یہ خط اللہ کے بندہ المہدی محمد بن عبداللہ کی طرف سے[۱۴] عبداللہ بن محمد کو لکھا جاتا ہے۔طسم، یہ کتاب مبین کی آیتیں ہیں۔ہم ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں، موسیٰ اور فرعون کے بعض سچے حالات تم کو سناتے ہیں۔فرعون زمین میں بہت بڑھ رہا تھااور اس نے اس کے باشندوں کے مختلف گروہ بنا دیئے تھے۔ان میں ایک گروہ کو اس قدر کمزور کردیا تھا کہ وہ ان کے لڑکوں کو ذبح کرتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھتا تھا۔بے شک وہ مفسد پردازوں میں سے تھا۔ہم چاہتے ہیں کہ اس ملک میں جو کمزور سمجھے گئے ان کے ساتھ احسان کریں اور ان کو سردار بنائیں نیز انہیں ملک کا وارث قرار دیں اور ان کے قدم ملک میں جمائیں اور فرعون و ہامان اور ان کے لشکر کو جن سے وہ ڈرتے تھے، انہیں لوگوں کے ہاتھوں تباہ کر دکھائیں۔(القصص-۱تا۶)

تم نے میرے سامنے جس طرح کی امان پیش کی ہے، میں بھی اسی طرح کی امان پیش کرتا ہوں۔دراصل حق (خلافت)ہمارا ہے۔تم نے بھی ہماری ہی خاطر اس کا دعویٰ کیا تھا۔ہمارے شیعوں کو لے کر تم اس کے حصول کے لئے نکلے۔[۱۵] ہماری ہی فضیلتوں کے طفیل تمہیں یہ اعزاز حاصل ہوا۔ہمارے دادا علی وصی اور امام تھے۔[۱۶] پس ان کی اولاد کے ہوتے ہوئے تم کیسے ان کی ولایت کے وارث ہوگئے ؟پھرتم کو یہ بھی معلوم ہے کہ کسی ایسے شخص نے، جس کا نسب اور شرفِ خاندانی ہمارے جیسا ہو خلافت کا دعویٰ نہیں کیا۔ ہم ملعونوں، مَطرُودوں اور آزاد کردہ غلاموں کی اولاد میں سے نہیں ہیں۔[۱۸] ہم کو قرابت(رسولﷺ) ،سبقت (فی الاسلام) اور دوسرے فضائل کے جو مفاخر حاصل ہیں ،وہ بنو ہاشم میں کسی کو حاصل نہیں ہیں۔ہم جاہلیت میں رسولﷺ کی ماں فاطمہ بنتِ عمر کی اولاد تھے اور اسلام میں ان کی لڑکی فاطمہ کی اولاد ہیں جب کہ تم ایسا کچھ نہ تھے۔اللہ نے ہمارے لئے بہترین نسب منتخب کیا۔ہمارے والد محمدﷺ نبیوں میں سے تھے اوراسلاف میں سے حضرت علیؓ سب سے پہلے مسلمان تھے۔ ازواج النبیؐ میں سب سے افضل خدیجہ طاہرہؓ تھیں جنہوں نے

سب سے پہلے قبلہ رخ نماز پڑھی۔لڑکیوں میں سب سے بہتر فاطمہؓ خواتینِ جنت کی سردار ہیں۔اسلام میں پیدا ہونے والوں میں سب سے بہتر حسنؓ و حسینؓ نوجوانِ جنت کے سردار ہیں۔حضرت علیؓ دو طرح سے ہاشم کی اولاد ہیں۔[۱۹] اسی طرح حسنؓ دو طرح سے عبدالمطلب کی اولاد ہیں۔[۲۰] اور میں حسنؓ و حسینؓ کی طرف سے دو طرح سے رسول ﷺ کی اولاد ہوں[۲۱] اور نسباً بنی ہاشم کا خلاصہ ہوں۔ میری رگوں میں امہاتِ اولاد کا عجمی خون نہیں۔[۲۲] اللہ تعالیٰ نے اسلام اور جاہلیت میں نسب کے لحاظ سے میرے لئے بہترین ماں باپ منتخب کئے اور یہ امتیاز جنت میں بھی قائم رکھا۔میں اس کی اولاد ہوں جس کا درجہ جنت میں سب سے بلند ہوگااورمیں اس کی اولاد ہوں جسے دوزخ میں سب سے کم عذاب ملے گا۔[۲۳] پس میں نیکوں میں سب سے بڑے نیک اور بروں میں سب سے کم برے اورجنت و دوزخ کے سب سے بہتر مکین کا فرزند ہوں۔میں خدا کا واسطہ دے کر وعدہ کرتا ہوں کہ تم میری دعوت مان کر میری اطاعت قبول کرلوتو میں خدا کی حدود ،مسلمانوں اور معاہد کے حقوق کے علاوہ جن کا بار تمہاری گردن پر ہے ،تمہاری جان، تمہارے مال اور تمہارے تمام محدثات کو معاف کردوں گا۔میں خلافت کا تم سے زیادہ حقدار ،ایفائے عہد کا تم سے زیادہ پابند ہوں، کیونکہ تم جیسی امان مجھے دے رہے ہو، ایسی معلوم نہیں کتنی امانیں دوسروں کو دے چکے ہو۔تم مجھے کس طرح کی امان دیتے ہو؟جیسی ابنِ ہبیرہ کو دی یا جیسی اپنے چچا عبداللہ بن علی کو دی یا جیسی اپنے قوتِ بازو ابومسلم کو دی۔[۲۴]

منصور کا دوسرا خط

اما بعد! تمہاری گفتگو مجھ تک پہنچی اور تمہاری تحریر پڑھی۔تم عوام اور جہلاء کو گمراہ کرنے کے لئے عورتوں کی قرابت سے بڑائی حاصل کرتے ہو،حالانکہ خدا نے عورتوں کا درجہ چچااور باپ کے برابر نہیں رکھا ہے اور نہ ہی اصحابہ اور اولیاء کے۔ اللہ نے چچا کو باپ کا رتبہ دیا ہے اور اپنی کتاب میں بھی اسی سے شروع کیا ہے۔[۲۵] اگر خدا نے محض قرابت کی وجہ سے عورتوں کو کوئی رتبہ دیا ہوتا تو اس رتبہ کی سب سے زیادہ مستحق رسول ﷺ کی ماں آمنہ ہوتیں اور سب سے پہلے وہ جنت میں جاتیں، لیکن اللہ نے اپنے علم کے باوجود یہ شرف دوسروں کو دیا۔ اور جہاں تک تعلق ہے ابوطالب کی ماں فاطمہ بنتِ عمر اور ان کی اولاد کے ذکر کاتو اللہ نے اس کی اولاد سے کسی کے حصہ میں اسلام کی توفیق نہیں رکھی، نہ بیٹی کے نہ بیٹے کے۔[۲۶] اور اگر ان میں قرابت کی وجہ سے کسی کو توفیق دیتا تو اس کے سب سے

زیادہ مستحق رسول ﷺ کے والد عبداللہ تھے جو دنیا اور آخرت کی تمام بھلائیوں کے مستحق تھے،لیکن اللہ اپنے مذہب کی توفیق جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔ اللہ فرماتا ہے ''تم جس کو پسند کرتے ہو اسے ہدایت نہیں دے سکتے لیکن خدا جس کو چاہتا ہے ہدایت یاب کرتا ہے'' (القصص-۹)۔جس وقت رسول ﷺ مبعوث ہوئے اس وقت ان کے چار چچا زندہ تھے ،پس اللہ نے حکم نازل کیا، وانذر عشیرتک الاقربین، پس جب رسول ﷺ نے ان کو دین کی دعوت دی تو ان میں سے دو نے قبول کی جن میں سے ایک ہمارے جدِ اعلیٰ تھے۲۷ اور دو نے انکار کیا، جن میں سے ایک تمہارے جدِ اعلیٰ تھے۔ ان کے انکار پر خدا نے ان کے اور رسول ﷺ کے درمیان قرابت کا رشتہ توڑ دیا۔تمہیں اس پر بھی فخر ہے کہ تم دوزخ میں سب سے کم عذاب پانے والے اور بروں میں سب سے کم برے کی اولاد ہو۔تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ کفر میں چھوٹے کفر، عذاب میں بھاری یا ہلکے عذاب اور شریروں میں کم شریر کا کوئی سوال نہیں۔مومن کو یہ روا نہیں کہ اللہ پر ایمان رکھتے ہوئے عذاب پر فخر کرے ،جو ایسا کرے گا وہ عنقریب دوزخ میں جائے گا تب اسے حقیقت معلوم ہوجائے گی۔و سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون ۔(الشعرا-۲۲۷)اور جہاں تک تعلق ہے تمہارے اس فخر کا کہ حضرت علیؓ اپنی ماں فاطمہؓ کے حوالے سے بنی ہاشم سے دوہری نسبت رکھتے ہیں اور حسن اپنی ماں فاطمہؓ کے حوالے سے عبدالمطلبؓ سے دوہری نسبت رکھتے تھے اور خود تمہیں رسول ﷺ سے دوہرا شرف اِبنّیت (فرزندی) ہے تو خیرالاولین والآخرین رسول ﷺ کو ہاشم اور عبدالمطلب دونوں سے دوہری نہیں بلکہ اکہری نسبت تھی۔۲۸ تمہارا یہ لکھنا کہ تم بنی ہاشم کا خلاصہ ہو،والدین کی طرف سے تمہارا نسب زیادہ خالص ہے، تمہیں کسی عجمی ماں نے نہیں جنا اور نہ تمہاری رگوں میں عجمی امہاتِ اولاد کا خون ہے،کتنی بڑی جسارت ہے۔اس دعویٰ پر تم پورے بنی ہاشم کے مقابلہ میں فخر کررہے ہو۔ دیکھو کل تم خدا کو کیا جواب دو گے۔تم اپنے دعوٰی میں اپنی حدود سے اتنا آگے بڑھ گئے ہو کہ جو مسلمہ طور پر تم سے ہر لحاظ سے افضل ہے اس کے مقابلہ میں فخر کرتے ہو۔گویا تم اپنے آپ کو رسول ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم سے افضل سمجھتے ہو۔۲۹ اور کیا خیال ہے تمہارے دادا کی بہترین اور افضل ترین اولاد کے متعلق؟۔۳۰ کیا وہ امہاتِ اولاد میں سے نہ تھے۔ یہ تم بھی مانتے ہو کہ رسول ﷺ کی وفات کے بعد تمہارے خاندان میں علی بن حسینؓ سے افضل کوئی پیدا نہیں ہوا۔۳۱ وہ بھی ام ولد کے بطن سے تھے

اور وہ تمہارے دادا حسن (مثنیٰ) بن الحسنؓ سے افضل تھے۔ پھر ان کے بعد تمہارے خاندان میں محمد بن علی سے بہتر کوئی نہیں ہوا،۳۲ ان کی دادی بھی ام ولد تھیں اور وہ تمہارے باپ سے افضل تھے۔ ان کے بعد ان کے لڑکے جعفر کی دادی بھی ام ولد تھیں اور وہ تم سے بہتر تھے۔۳۳ جہاں تک تعلق ہے تمہارے اس دعوٰی کا کہ تم رسول ﷺ کے لڑکے ہو تو اس بارے میں اللہ تعالی فرماتا ہے ماکان محمد ابآ احد من رجالکم۔(الاحزاب-۴۰) ہاں، تم آپ ﷺ کی بیٹی کی اولاد البتہ ہو اور یہ بڑی قرابت والی بات ہے، لیکن اس کے لئے میراث جائز ہی نہیں، نہ لڑکی کو ولایت کا حق ہوتا ہے نہ اس کے لئے امامت جائز ہے، پھر تم کیونکر اس (ولایت اور امامت) کے وارث ہوگئے؟ تم کو معلوم ہے کہ تمہارے باپ حضرت علیؓ نے بھی اس کے حصول کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔(اس کے حصول کے لئے) انہوں نے فاطمہؓ کو دن میں نکالا، چھپ کر ان کی تیمارداری کی اور رات کو خفیہ دفن کردیا،۳۴ لیکن لوگوں نے شیخین کے سوا ان کی خلافت تسلیم نہیں کی۔اسلام کے اس قانون میں کسی کو اختلاف نہیں ہے کہ نانا، ماموں اور خالو میں سے کسی کو وراثت نہیں ملتی۔تمہارا یہ فخر کہ حضرت علیؓ سابقین اسلام میں سے تھے تو رسول ﷺ نے مرض الموت میں ان کے علاوہ دوسرے کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔آپ کے بعد مسلمانوں نے حضرت علیؓ کو چھوڑ کر یکے بعد دیگرے دوسرے دو آدمیوں کو خلیفہ منتخب کیا۔ان دونوں کے بعد جب چھ آدمی نامزد ہوئے تو حضرت علیؓ کو خلافت سے دور رکھنے کیلئے سب نے ان کو چھوڑ دیا اور ان کو حق دار نہ سمجھا۔عبدالرحمٰنؓ نے حضرت عثمانؓ کو ان پر ترجیح دی۔حضرت عثمانؓ کے قتل ہونے کے بعد حضرت علیؓ پر ان کے قتل میں شرکت کا الزام لگایا گیا۔ ۳۵ اس کے بعد جب خود ان کا دور آیا تو طلحہؓ و زبیرؓ نے ان سے جنگ کی۔سعدؓ نے ان کی بیعت سے انکار کرکے دروازے بند کرلئے اور معاویہؓ کی بیعت کر لی۔حضرت علیؓ نے ان لوگوں سے بیعت لینے کے لئے ان کا پورا مقابلہ کیا مگر آخر میں خود ان کے ساتھیوں نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا اور بہت سے ان سے بد گمان ہوگئے۔پھر انہوں نے اپنا فیصلہ حکمین کے ہاتھوں میں دیا۔ ان کے انتخاب کو پسند کرکے ان لوگوں کے سامنے یہ عہد کرلیا کہ وہ ان کے فیصلے کو مان لیں گے، جنہوں نے بالاتفاق انہیں معزول کردیا۔۳۶ ان کے بعد ان کے لڑکے حسنؓ نے چند کپڑوں اور درہموں کے عوض خلافت معاویہ کے ہاتھ بیچ دی۔۳۷ خود حجاز جارہے اور اپنے حامیوں کو معاویہؓ کے حوالے کردیا اور خلافت ایک غیر مستحق

شخص کو دے کر اس کے بدلہ میں مال لیا جس کے وہ مستحق نہ تھے۔ بالفرض اگر خلافت تمہارا حق تھا بھی تو تم نے اسے بیچ کر اس کی قیمت لے لی۔اس کے بعد تمہارے چچا ابنِ مرجانہ کے مقابلہ میں آئے[۳۸] لیکن جمہور نے حسینؓ کے خلاف ابن مرجانہ کا ساتھ دیا[۳۹] اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے خود انہی نے ان کو قتل کردیا اور ان کا سر قلم کرکے ابنِ مرجانہ کی نذر کیا۔[۴۰] پھر تم لوگ بنی امیہ کے مقابلہ میں اٹھے۔انہوں نے تمہیں قتل کیا تمہیں سولیوں پر لٹکایا ،آگ میں جلایا،جلاوطن کیا، حتیٰ کہ یحییٰ بن زید غریب الوطنی میں خراسان میں قتل ہوئے۔بنو امیہ نے تمہارے مردوں کو قتل کیا، عورتوں اور بچوں کو قید کرکے بغیر تکئے کے محملوں پر سوار کراکے لونڈی اور غلاموں کی طرح شام لے گئے تاآنکہ ہم ان کے مقابلہ کے لئے اٹھے اوران سے تمہاراپوراپورا بدلہ لیا۔تمہیں ان کے ملک کا وارث بنایا۔ہم تمہارے اسلاف کی سنت پر چلے اور ان کی فضیلت کا ڈنکا بجا کر ان کا نام روشن کیا۔ہمارے اس اعلانِ فضیلت کو تم ہمارے ہی خلاف حجت قرار دیتے ہواور سمجھتے ہو کہ ہم تمہارے اجداد کا نام ان کی بزرگی کی وجہ سے لیتے تھے کہ وہ حمزہؓ، عباسؓ اور جعفرؓ سے افضل تھے۔اگر تمہارا یہ خیال ہے تو سراسر غلط ہے۔دنیا سے یہ لوگ ایسی حالت میں صاف اور دامن بچائے ہوئے گئے کہ لوگ ان کے فضائل کو مسلمہ طور پر مانتے تھے۔اس کے برعکس تمہارے باپ حضرت علیؓ کو جنگ اور خونریزی کی آزمائشوں میں مبتلا ہونا پڑا۔بنو امیہ ان پر اس طرح لعنت بھیجتے رہے جس طرح نماز میں کفار پر بھیجی جاتی ہے۔[۴۱] ایسے وقت میں ہم ہی نے اس کے خلاف احتجاج کرکے ان کے فضائل کا اشتہار دیا اور نہایت سختی اور جبر کے ساتھ ان کو روکا۔تم کو زمانہ جاہلیت میں ہمارے سقایہ حجاج اور ولایتِ زمزم کے شرف کا بھی علم ہے۔یہ شرف سب بھائیوں میں ہمارے ہی باپ عباسؓ کے حصہ میں آیا۔اسلام کے زمانہ میں تمہارے باپ نے اس کے لئے جھگڑا کرنا چاہا ،لیکن عمرؓ نے ہمارے موافق فیصلہ کیا۔[۴۲] اس لئے ہم کو جاہلیت اور اسلام دونوں میں سقایہ حجاج کا شرف حاصل رہا۔جب مدینہ میں قحط پڑا اور اہلِ عرب پانی کی ایک ایک بوند کیلئے تڑپتے تھے ،اس وقت تمہارے والد بھی موجود تھے لیکن عمرؓ نے ہمارے ہی والد کو وسیلہ بناکر خدا سے دعا کی اور خدا نے ان کے طفیل بارانِ رحمت سے سیراب کیا۔[۴۳] تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ رسول ﷺ کی وفات کے بعد عبدالمطلب کی اولاد میں عباسؓ کے سوا کوئی باقی نہ تھااور وہ چچا کی حیثیت سے ان کے وارث تھے۔پھر بنی ہاشم کے ایک سے زیادہ آدمیوں نے اس

کو مانگا، لیکن عباسؓ کی اولاد کے علاوہ کسی کو یہ منصب نہ ملا۔اس لئے سقائی(پانی پلانا) کے حق دار بھی عباس تھے اور میراثِ نبویؐ کے وارث بھی وہی تھے اور اب خلافت کی حق دار ان کی اولاد ہے۔پس جاہلیت اور اسلام،دنیا اور آخرت کا کوئی ایسا شرف باقی نہیں رہاجس کی حامل اور وارث عباسؓ کی ذات نہ رہی ہو۔

تم نے بدر کے معاملہ میں طعنہ زنی کی۔تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ظہورِ اسلام کے وقت عباسؓ ابوطالب کی ناداری کی وجہ سے ان کے اور ان کے اہل و عیا ل کے کفیل تھے۔اگر عباس جبراًبدر میں نہ لائے جاتے تو طالب اور عقیل بھوکوں مر جاتے اور عتبہ اور شیبہ کے پیالے چاٹتے،لیکن عباسؓ نے انہیں کھلا کر اس ذلت اور گالی سے بچایا اور بدر میں عقیل کو فدیہ دے کر چھڑایا۔اب بھی تمہیں ہمارے مقابلہ میں فخر کا موقع ہے؟کفر کی حالت میں بھی تم سے بلند مرتبہ رہے اور تمہارے قیدیوں کو چھڑایا۔بزرگوں کے مفاخر ہماری وجہ سے تم کو حاصل ہوئے۔خاتم الانبیاءﷺ کے وارث ہم ہوئے،تم نہیں۔ہم ہی نے بنو امیہ سے تمہارے خو ن کا انتقام لیا اور ان کوتمہاری جانب سے ایسا سخت بدلہ دیا کہ تم اپنے ذاتی معاملہ کے باوجود اس سے عاجز تھے۔

بعد کے حالات

اس خط وکتابت سے مصالحت کی کوئی راہ نہ نکل سکی اور ابو جعفر منصور کارروائی کرنے پر مجبور ہوگیا۔سب سے پہلے اس نے بصرہ اور کوفہ کی ناکہ بندی کروا دی تا کہ ادھر سے کوئی کمک نہ پہنچ سکے۔اس کے بعد اپنے بھتیجے عیسیٰ کو فوج دے کر مدینہ روانہ کردیا اور ساتھ ہدایت کردی کہ اگر محمد بن عبداللہ مغلوب ہوجائیں تو تلوار نیام میں کرلینا اور امان دے دینا۔عیسیٰ نے مدینہ پہنچ کر پھر نفسِ زکیہ کو صلح کی پیش کش کی لیکن انہوں نے حقارت سے ٹھکرادی۔رمضان ۱۴۵ھ میں عیسیٰ نے مدینہ میں یہ منادی کروا دی کہ ''اللہ نے باہم مسلمانوں کی خون ریزی کو حرام قراردیا ہے، اس لئے امن و صلح کا پیغام قبول کرو۔جوشخص ہمارے پاس آجائے یا گھر میں بیٹھ جائے یا مسجد نبویؐ میں چلا جائے یا ہتھیار ڈال دے یا مدینہ چھوڑ دے تو وہ مامون ہے''۔لیکن اہلِ مدینہ نے بھی اس بات کو قبول نہ کیا۔دوسرے دن شدید جنگ ہوئی، جس میں نفس زکیہ شہید ہوگئے۔[۴۴]

دوسری طرف نفس زکیہ کے بھائی ابراہیم جو کہ کوفہ میں ان کی طرف سے داعی تھے ،نے کوفہ

میں بہت کامیابی حاصل کی، یہاں تک کہ بصرہ، واسط اور اہواز پر ابراہیم کا قبضہ ہوگیا۔نفس زکیّہ کے قتل کی خبر سن کر ابراہیم ایک لاکھ فوج کے ساتھ کوفہ روانہ ہوئے۔عیسیٰ بن موسیٰ مدینہ سے فارغ ہوکر کوفہ آئے اور ایک زبردست جنگ کے بعد ابراہیم کی فوج کو شکست ہوئی اوروہ خود مقتول ہوئے۔[۴۵]

علویوں کے دعاوی: سیاسی بصیرت اور رائے عامہ کی حمایت کے ضمن میں

ابو جعفر منصور انتظام حکومت میں طاق ہونے کے علاوہ علم میں بھی کسی سے کم نہ تھا۔ وہ امام مالکؒ کا ہم درس رہا تھا۔[۴۶] انتظام کا اندازہ اس کے بغاوت فرو کرنے سے ہی نہیں ہوتا بلکہ عباسی خلافت کو مستحکم بنیادوں پر قائم کرنے کا کام اسی شخص کا رہین منت تھا۔[۴۷] ابو جعفر منصور ہی وہ عباسی خلیفہ ہے جس نے عباسیوں کی خلافت کے مذہبی جواز کو قائم کرنے کے لئے باقاعدہ علماء کو مامور کیااورایک خیال کے مطابق اس سلسلہ میں وضعِ حدیث سے بھی احتراز نہ کیا گیا۔[۴۸] اس ضمن میں عباسی اس حد تک کامیاب ٹھہرے کہ امام غزالیؒ جیسا بالغ نظر بھی عباسی ہونے کو خلافت کی ایک شرط قرار دیتا ہے[۴۹] جب کہ اس نظریہ کی وسعت اس حد تک ہوئی کہ ہندوستان کے دور دراز ملک میں عباسی خلافت کے خاتمہ کے چالیس سال بعد تک خطبہ اور سکہ میں خلیفہ کا نام رائج رہا۔[۵۰]

یہی معاملہ اس سے قبل کا تھا۔ حضرت علیؓ کی بعض سیاسی غلطیاں ایسی تھیں جن کی وجہ سے آپ معاویہؓ کے مقابلے میں ناکامی سے دوچار ہوئے۔ خود حضرت حسینؓ کا اہلِ کوفہ پر اعتماد کرتے ہوئے بنی ہاشم ہی کے اکابر(ابن عباس و ابن حنفیہ) کے مشورہ کے خلاف خروج کرنا بھی اسی سیاسی عدم بصیرت کا مظہر تھا۔اس کے بعد زید بن علی نے جس اموی خلیفہ کے خلاف خروج کیا۔ وہ اموی خلافت کا دور عروج تھا جس میں اسلامی سلطنت کی سرحدیں ہسپانیہ (سپینSpain) تک محیط ہوچکی تھیں جبکہ زید بن علی میدان سیاست کے آدمی نہیں تھے اور انہوں نے بھی ایسا اکابر کے مشورہ کے خلاف کیا۔

اس صورتِ حال سے ہم بخوبی اندازہ کرسکتے ہیں کہ علویوں کے دعاوی کی حیثیت کیا رہی ہوگی۔ ہم بیان کرچکے ہیں کہ نفسِ زکیّہ کی بغاوت پہلی اور بعد میں ہونے والی بغاوتوں میں سے منظم ترین تھی اور ایسا صرف انتظام کا معاملہ ہی نہ تھا بلکہ اس بغاوت کو امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ ایسے اہلِ علم اور اہلِ تقوٰی کی فکری تائید بھی حاصل تھی۔[۵۱] خود نفسِ زکیّہ تقویٰ میں بہت بڑھے ہوئے بیان کئے جاتے ہیں اور سب سے اہم بات یہ رہی کہ مذکور بغاوت میں مدعی خلافت کے ساتھ اس

کے شیعوں میں سے کسی قسم کی غداری کا معاملہ بھی مطالعہ میں نہیں آتا۔ اس صورتِ حال نے نفسِ زکیہ میں کامیابی کے یقین کو پروان چڑھا دیا اور انہوں نے نہ صرف ابو جعفر کی امان کو ٹھکرا دیا بلکہ خود اس کے سامنے امان کی پیشکش کردی۔ نفسِ زکیہ کی ناکامی کی ایک ممکنہ توجیہہ ہم ابو جعفر منصور کے اس فقرے سے اخذ کرسکتے ہیں کہ ''تم عوام اور جہلاء کو گمراہ کرنے کے لئے عورتوں کی قرابت سے بڑائی حاصل کرتے ہو''۔ اس کے علاوہ منصور نے جگہ جگہ اس بات کا ذکر کیا کہ لوگوں نے فلاں بات کو اس طرح سے لیا۔۔۔ مثال کے طور پر حضرت علیؓ کے حوالے سے اس نے لکھا کہ سب نے انہیں چھوڑ دیا۔ عوام الناس کی رائے کو ہموار کرنا عباسیوں کے ہاں بہت اہمیت رکھتا تھا۔ دوسری طرف علوی رائے عامہ کی مقتدر عملی حمایت کو حاصل کرنے میں کامیابی کا کوئی زینہ بھی نہ چڑھ سکے۔ لہٰذا نہ واقعہ کربلا پر وہ مزاحمت سامنے آئی جس کا امکان ہوسکتا تھا اور نہ بعد کے کسی واقعہ میں۔ اس پر مستزاد یہ ٹھہرا کہ علویوں کے اعوان و انصار کی وفاداری قابلِ اعتماد نہ تھی۔ ۵۲

ایک اور نکتہ یہاں واضح کرنا ضروری ہے کہ رائے عامہ کو بزور قوت دبا دینے یا خاموش کردینے کا نظریہ مجرد حیثیت کا حامل ہے اور زمانہ قدیم وجدید میں اس کی عملی تفسیر آسانی سے میسر نہیں آسکتی بلکہ جس طرح سے زمانہ جدید میں حکومت کا جواز رائے عامہ کو باور کرائے بغیر چارہ نہیں اس سے زیادہ شدت سے یہ امر زمانہ قدیم و ازمنہ وسطیٰ میں موجود رہا ہے۔ ۵۳

علویوں کی ناکامی کے حوالے سے مذکور نکتہ کی تائید اس حقیقت سے بھی ہوتی ہے کہ حصولِ خلافت کے لئے علویوں کی کوششیں اس وقت تک بارآور ثابت نہ ہوسکیں جب تک انہیں عبداللہ ابنِ میمون القداح جیسا زیرک فہم داعی میسر نہ آگیا جس نے اپنے وضع کردہ زیرِ زمین باطنی نظام سے فاطمی خلافت کے قیام کی راہ کو ہموار کیا۔ ۵۴ اور وہ بھی اس وقت ممکن ہوسکا جب عباسیوں کی نظمِ مملکت پر گرفت ڈھیلی پڑ چکی تھی۔ ۵۵

علویوں کے دعاوی : اسلامی تاریخ پر اثرات

علویوں نے خلافت کے استحقاق کے ضمن میں جس طرح کے بھی دعاوی قائم کئے یا پیش کئے وہ اسلام کے سیاسی نظریہ کی قائم شدہ شکل کا کوئی بہتر متبادل پیش نہ کرسکے۔ موروثیت، جو بنی امیہ اور بنی عباس کی حکومتوں کے مفاسد میں شمار کی جاتی ہے، علویوں کے ہاں زیادہ شدت سے پائی جاتی

ہے۔۵۶ علویوں کے ہاں عقائد میں ایرانی تصورات کی آمیزش۵۷ نے حصولِ خلافت کی اس سیاسی کشمکش کو عقیدے کی جنگ بنادیا جس کے نتیجہ میں سنی نظریہ ساز بنی عباس کی خلافت پر ہر حالت میں صاد کرنے لگے۔۵۸ اور جب امتدادِ زمانہ نے فاطمی خلافت کی شکل میں زمامِ کار علویوں کی ایک شاخ کے ہاتھ میں دی تو اپنی قلمرو میں وہ اپنے حریفوں کی نسبت کوئی بہتر نظام دنیا کے سامنے پیش کرنے سے قاصر رہے اور وہ تمام مفاسد جن کی نشاندہی بنوامیہ و بنوعباس کے دور میں کی جاتی ہے، جن میں حریفوں کا قتل، حکمرانوں کا شاہانہ ٹھاٹھ اور نااہلوں کی جانشینی آتے ہیں، بلا امتیاز فاطمیوں میں بھی پائے جاتے تھے۔ ۵۹

علویوں کے دعاوی: مذہبی یا سیاسی عنصر کا تعین

اس ساری بحث سے جو خیال تقویت پکڑتا ہے وہ تو اسی طرح سے ہے کہ شاید علویوں کے دعاوی سراسر خاندانی۶۰ اور سیاسی بنیادوں پر قائم کئے گئے تھے اور اس کے نتیجہ میں ظہور پذیر ہونے والی بغاوتیں مذہبی سے زیادہ سیاسی کشمکش کا نتیجہ تھیں، لیکن بہر حال مذہبی عنصر کو یکسر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ وہ اس لئے کہ اہل بیتِ رسول ﷺ کو رسالت کے ضمن میں ہی لیا جاتا ہے اور رسالت ایک مذہبی مسئلہ ہے۔ مذہبی عنصر کا عمل دخل اس وقت اور زیادہ بڑھ جاتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ ایسے اہل علم بھی اس سے لاتعلق نہیں تھے۔ البتہ ان کے تعلق کی نوعیت قطعی نہیں تھی کہ وہ کن بنیادوں پر علویوں کی حمایت کررہے تھے۔خود اہل سنت کے حلقوں میں علویوں کے دعاوی کے مذہبی ہونے کی بازگشت واضح طور پر سنائی دیتی ہے، خاص طور پر ہندوستان میں بیسویں صدی میں اہل سنت کے ہاں بھی یہ تصور شدت سے پروان چڑھا۔ وہ اس لئے کہ اس عہد کے مسلم نظریہ ساز جدید جمہوریت کے تصور کے زیر اثر اموی اقتدار کو عرب جاہلیت کی بحالی سے تعبیر کرتے تھے؛ چنانچہ مسئلہ اسلام اور جاہلیت کا تھا اس لئے مذہبی ٹھہرا۔ اس ضمن میں مناظر احسن گیلانی اور مولانا مودودی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ البتہ اس طرح کا نقطہ نظر اپنانے پر مولانا مودودی کو اہل سنت کے مختلف حلقوں کی طرف سے شدید نکتہ چینی کا سامنا کرنا پڑا جو کہ اس کشمکش کو خالصتاً سیاسی خیال کرتے ہیں اور ابتدائی اسلامی معاشرے (بشمول اموی وعباسی دور) کو جہالت پر مبنی قرار دینے کو اعتقادی غلطی قرار دیتے ہیں۔

تاریخی بحث میں یہ کشمکش اس لئے مذہبی سے زیادہ سیاسی محسوس ہوتی ہے کہ معروضی تاریخ مذہبی بحث میں عقیدت اور تقدس کے عنصر کو منہا کردیتی ہے جس سے مسئلہ کی نوعیت میں بہت فرق پڑ جاتا ہے۔ بعینہٖ یہی معاملہ تاریخی حوالے سے علویوں کے دعاوی کا ہے۔ البتہ اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ یہاں سیاسی کو سیکولر کے طور پر نہیں لینا چاہئے۔

حوالہ جات

۱۔ اس تعریف کے لئے دیکھئے؛ بی لیویز، ''علویہ''اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد۱۴(لاہور : دانش گاہ پنجاب، ۱۹۳۷ء) ص۹۱۔ یہ بات ذہن نشین کرلینی چاہئے کہ اصطلاحات عام طور پر بعد کی اختراع ہوتی ہیں، جب اہل قلم و زبان کسی خاص واقعہ، گروہ یا تحریک کو بیان کرنے کے لئے الفاظ کو مخصوص کردیتے ہیں۔ البتہ تاریخی حوالے کے مطابق سب سے پہلے علویہ کی اصطلاح کا استعمال حضرت عثمانؓ کی شہادت سے ہوا، جب اسے عثمانیہ کے مقابلے میں استعمال کیا گیا۔ جو افراد حضرت علیؓ کے حلقہ بیعت ہوئے انہیں علوی جب کہ جو قصاص عثمان کے دعویدار ہوئے انہیں عثمانی کا نام دیا گیا۔ اس بات کا بین ثبوت بخاری کی اس روایت میں موجود ہے جس میں دو اصحاب کے مابین ایک مختصر مکالمہ نقل کیا گیا ہے اور راوی نے ان میں سے ایک کو علوی اور دوسرے کو عثمانی سے موسوم کیا ہے۔ دیکھئے؛ ابوعبدالرحمٰن (عثمانی) اور حبان بن عطیہ(علوی) کی گفتگو، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری جلد۲(ترجمہ)(لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ۱۹۹۹ء) ص۱۸۰۔ لہٰذا اس حوالے سے علویہ کی اصطلاح حضرت حضرت علیؓ کی اولاد و اَحِبّا کی بجائے ان کے اعوان و انصار تک محیط تھی۔ امویوں کے اقتدار میں رہنے تک تمام بنی ہاشم علوی تھے کیونکہ وہ حضرت علیؓ کے طرفدار تھے لیکن السفاح کے مسند خلافت سنبھالنے سے علویہ کی اصطلاح صرف حضرت علیؓ کی اولاد تک محدود ہوگئی۔

۲۔ یہ تصور کہ اہل بیت میں صرف حضرت علیؓ اور ان کی فاطمی اولاد آتی ہے، بعد کی اختراع اور ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ زید بن ارقم بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا،''میں تم میں دو بڑی چیزیں چھوڑے جاتا ہوں، پہلے تو اللہ کی کتاب ہے تو اسے تھامے رہو''، غرض آپ ﷺ نے رغبت دلائی اللہ کی کتاب کی طرف،''دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں، میں اللہ کی یاد دلاتا ہوں تم کو اپنے اہل بیت میں''۔ راوی نے پوچھا کہ اہل بیت آپ ﷺ کے کون ہیں، کیا آپ ﷺ کی بیبیاں اہل بیت نہیں ؟ تو زید نے کہا وہ بھی اہل بیت ہیں (جب کہ اس سے اگلی روایت میں کہا کہ بیبیاں اہل بیت نہیں ہیں)لیکن اہل بیت وہ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے، اور وہ حضرت علیؓ، عقیلؓ، جعفرؓ اور عباسؓ کی اولاد ہیں۔ دیکھئے؛ امام مسلم، صحیح مسلم جلد ۶ (لاہور: مکتبہ نعمانیہ، ۱۸۹۱ء)ص۳۰۱۔ لہٰذا اس روایت کے مطابق بنو عباس بھی اہل بیت میں شمار ہوتے ہیں۔ جب کہ اہل سنت (سورہ احزاب کی آیت ۳۳ کے مطابق) اہل بیت میں سب سے اول آپ ﷺ کی ازواج مطہرات کو شمار کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں رسول اللہ ﷺ نے محبت کے اظہار کے لئے بھی لوگوں کو اہل بیت کہا جیسا کہ سلمان فارسیؓ کے بارے میں ارشاد ہوا۔

۳۔ نظریہ امامت کا معاملہ بھی اوپر کی بحث والا ہے کہ متقدمین میں اس نظریہ کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا۔ گو اعلان غدیر کو بنیاد بنا کر اس نظریہ کو براہِ راست رسول ﷺ سے منسلک کیا جاتا ہے لیکن تاریخی شواہد اسے ثابت نہیں کرتے۔ اولاً حضرت علیؓ نے نہ تو خلفائے ثلاثہ کے دور میں اور نہ ہی اپنے عہدِ خلافت میں ایسے کسی دعویٰ کو

پیش کیا حالانکہ اس وقت وہ خلافت کے نزاع پر ہی جنگ لڑ رہے تھے۔ دیکھئے؛ ڈاکٹر محمد حمیداللہ، "Prophet's Establishing a State and his Succession"(اسلام آباد:ہجرہ کونسل،۱۹۸۸)ص۵۳-۱۵۲۔علاوہ ازیں حسنؓ کا طرزِ عمل ایسے کسی بھی نظریہ کی عملی طور پر نفی کرتا ہوا نظر آتا ہے جب کہ حسینؓ سے بھی ایسے کسی دعویٰ کا اظہار تاریخ میں منقول نہیں۔ نظریہ امامت کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو؛ مرتضیٰ حسین فاضل،''شیعہ''، *اردو دائرہ معارف اسلامیہ*، جلد ۸، حوالہ سابقہ، ص ۲۰۹۔

دوسری بات اس میں یہ ہے کہ حضرت علیؓ، رسول اللہ ﷺ سے قرابت کا اظہار مردانہ سلسلہ کے توسط سے کیا کرتے تھے، اس لحاظ سے کہ وہ آپ ﷺ کے چچا زاد بھائی تھے۔ اس بات کا اظہار خود حضرت علیؓ کی اس تعارفی تقریر سے ہوتا ہے جو انہوں نے جنگ صفین کے موقع پر کی تھی۔ اس میں انہوں نے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کا چچا زاد کہا ہے، داماد نہیں،''علویہ''، *اردو دائرہ معارف اسلامیہ*، حوالہ سابقہ۔اور اس اصول میں عباسیوں کو پھر برابری کا دعویٰ تھا کہ وہ بھی آپ ﷺ کے عم زاد تھے۔

۴- علویوں کے دعاوی کو ان کے خروج کے حوالے سے مقالہ نگار نے اپنے ایم اے کے مقالہ میں مرتب و متعین کیا ہے۔ اس مقالہ میں کم و بیش پچاس علویوں کے حالات و واقعات بیان کئے گئے ہیں، جنہوں نے حکومتِ وقت کے خلاف خروج کیا۔ ان میں سے پانچ بغاوتیں بنی امیہ کے دور میں ہوئیں جب کہ بقیہ کا بنی عباس کو سامنا کرنا پڑا۔ محمد رضا تیمور،''علویوں کے خروج۔حیثیت اور اثرات''، (ایم اے مقالہ : پنجاب یونیورسٹی لاہور،۲۰۰۳ء)

۵- محمد بن عبداللہ، حسنؓ کی اولاد میں سب سے پہلے خروج کرنے والے ہیں۔ ان کا خروج زید بن حضرت علیؓ سے شروع ہونے والی بغاوتوں کے سلسلہ کی ایک کڑی تھی، اس لئے انہیں زیدیہ میں شمار کیا جاتا ہے جب کہ ائمہ اثنا عشریہ نے ان بغاوتوں میں کسی قسم کا کوئی کردار ادا نہ کیا۔زیدیوں کے مطابق امامت زید سے نفس زکیہ اور پھر اس کے بھائی ابراہیم سے ادریس کو منتقل ہوگئی جو ادریسی حکومت کا بانی تھا۔ملاحظہ کیجئے؛ سید امیر علی،*"The Spirit of Islam"* (کراچی : پاکستان پبلشنگ ہاؤس ،۱۹۸۱ء)ص۳۲۰۔زیدیہ کے نزدیک حکومت وقت کے خلاف خروج امام کے لئے لازم تھا۔ خروج کو زیدیہ اس حد تک اہمیت دیتے تھے کہ وہ علویوں کے دائرہ کار کو ابو طالب کی اولاد تک وسیع کردیتے تھے، مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہ حکومت وقت کے خلاف خروج کرے۔ زیدیہ کے خروج کے نظریئے کے لئے ملاحظہ ہو"W. Madelung, "Imama دی *انسائیکلوپیڈیا آف اسلام*، جلد۳،(لائیڈن: ای جے برل، ۱۹۸۳)، ص۱۱۶۵۔

۶- الامام الفقیہ المفسر المورخ ابو جعفر محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک ،(ریاض :بیت الافکار الدولیہ، سن ندارد)ص۱۳۵۱۔

۷- تمام مستند اور مفصّل تاریخیں مثلاً ابن الاثیر کی *الکامل*، *تاریخ ابن خلدون*، ابو لفداء ابنِ کثیر وغیرہ ان ہی(طبری) سے ماخوذ ہیں اور اس کتاب کے مختصرات ہیں۔ دیکھیے؛ علامہ شبلی نعمانی، *سیرت النبی* ﷺ جلد۱(لاہور:الفیصل ناشران و تاجران کتب، ۱۹۹۱ء)ص۔۳۴۔اس سلسلہ میں ایک بات اور بھی قابلِ ذکر ہے کہ طبری کی تاریخ جو آج موجود ہے وہ اصل تاریخ کا خلاصہ ہے جب کہ اصل مسودہ اس سے دس گنا زیادہ ضخیم تھا۔ دیکھیے؛''طبری''، *اردو دائرہ معارف اسلامیہ*، جلد۸ (لاہور: دانش گاہ پنجاب ،۱۹۷۳ء)ص۴۰۴۔

۸- بلاذری، *انساب الاشراف*، (بیروت؛ کتب شاملہ)، ص۳۹۷۔

۹- زید بن علی سے علویوں کی دو شاخیں نمایاں ہوگئیں؛ زیدیہ اور امامیہ یا اثنا عشریہ۔ زیدیہ ابوبکر وعمروعثمان کی حد تک مفضول کی امامت کو جائز قرار دیتے تھے یعنی حضرت علیؓ کو افضل ماننے کے باوجود ابوبکر وعمر کی خلافت کو تسلیم کرتے تھے، لیکن بعد کے معاملے میں وہ امام کا حکومت وقت کے خلاف خروج کرنا ضروری خیال کرتے

تھے۔ البتہ بعد ازاں خود زیدیہ میں مختلف فرقوں کا ظہور ہوا جن میں سے ایک مرجیہ تھے جو کہ بنی امیہ کی خلافت کو بھی جائز قرار دیتے تھے اور بغاوت کو غلط سمجھتے تھے۔ زیدیہ کے عقائد کے لئے دیکھئے: *دی انسائیکلوپیڈیا آف اسلام*، جلد ۳ حوالہ سابقہ، ص ۱۱۶۳-۱۱۶۶۔

۱۰- مختار بن ابی عبید ثقفی نے لوگوں کو اہل بیت کا بدلہ لینے کے نعرہ پر اکٹھا کیا اور اعلان کیا کہ محمد بن الحنفیہ نے اسے اپنا نائب مقرر کیا ہے۔ اس سلسلہ میں اس نے ابن حنفیہ کی طرف سے جعلی خطوط لوگوں کو دکھا کر اپنی حمایت پر آمادہ کیا جب کہ محمد بن الحنفیہ نے اسے ایسی کوئی سند نہیں دی تھی، نیز معلوم ہونے پر وہ اس سے برأت کا اظہار کرتے تھے۔ حتیٰ کہ مختار نے جب قاتلین حسینؓ کے سر اہل بیت کی طرف روانہ کئے تو ان میں سے صرف محمد بن الحنفیہ تھے، جنہوں نے اس پر کسی خوشی کا اظہار نہیں کیا بلکہ وہ اس قتل و غارت گری کو برا جانتے تھے۔ مختار ہی وہ پہلا شخص ہے جس نے اپنی سیاسی جدوجہد کو اہل بیت کے نام پر مذہبی رنگ دیا۔ مختار کا معاملہ ایک علیحدہ بحث کا متقاضی ہے۔ اس کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ڈاکٹر نگار سجاد ظہیر، مختار ثقفی۔ ''یکے از دہاۃ العرب''، (کراچی: قرطاس، ۲۰۰۴ء) مختار کے جعلی خطوط کوئی باقاعدہ دستاویز نہیں تھے اور نہ ہی مختار کسی علوی مدعی خلافت کی طرف سے نامزد کردہ تھا۔ اس لئے اس کے حضرت علیؓ کو وصی کہنے کی حیثیت وہ نہیں بنتی جو کہ نفس زکیّہ کا معاملہ ہے۔ لہٰذا علویوں کے حوالے سے باقاعدہ دعاوی کے اظہار میں ہم نفس زکیّہ کو ہی اول قرار دیں گے اور ان کی خط و کتابت کو اس حوالے سے پہلی دستاویز! البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ نفس زکیّہ اپنے ان دعاوی (وصی اور مہدی) کے اظہار میں کسی طرح سے مختار سے متاثر ہوئے ہوں۔

۱۱- پہلے عباسی خلیفہ السفاح کا دور ایک عبوری دور کی حیثیت رکھتا ہے۔ عباسی خلافت کی صحیح بنیاد ابو جعفر منصور کا کارنامہ ہے۔ سیوطی نے تاریخ الخلفا میں اس چیز کو بیان کیا ہے کہ ابوجعفر منصور وہ پہلا شخص تھا جس نے عباسیوں اور علویوں میں افتراق پیدا کیا ورنہ اس سے قبل وہ ایک گروہ تھے۔ دیکھئے: جلال الدین سیوطی، *تاریخ الخلفاء*، (بیروت: دارالکتاب العربی، ۱۹۹۹ء) ص ۲۰۲۔

۱۲- ان میں ابراہیم المعروف بہ نفسِ رضیہ کوفہ و بصرہ میں، علی بن محمد مصر میں، عبداللہ بن محمد خراسان وسندھ میں، حسن بن محمد یمن میں، موسیٰ بن عبداللہ جزیرہ میں، یحییٰ بن عبداللہ رے اور طبرستان میں اور ادریس بن عبداللہ مغرب میں علوی دعوت کے فروغ میں مشغول تھے۔ شاہ معین الدین احمد ندوی، *تاریخ اسلام*، جلد ۲ (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۸۵ء) ص ۶۴۔

۱۳- اس خط و کتابت میں دیگر جگہوں پر بھی قرآنی آیات کے حوالے دیئے گئے ہیں اور وہ موقع کی مناسبت سے ہیں۔ اس طرزِ عمل کو نامور محقق محمد قاسم زمان نے ایک کتاب میں اپنی تحریر کا موضوع بنایا ہے، جس میں انہوں نے ''عباسی انقلاب'' کے خصوصی جائزے سے اس طرزِ عمل کو پوری اسلامی تاریخ پر محیط قرار دیا ہے۔ حتیٰ کہ دورِ حاضر میں بھی مسلمان اپنے لائحہ عمل کی تائید کے لئے موافق قرآنی آیات کو پیش کرتے ہیں۔ اس بات کو مصنف نے Religious Discourse کے Text Sacred میں استعمال سے تعبیر کیا ہے۔ گو یہ طرزِ عمل اس سے قبل شروع ہوچکا تھا لیکن عباسیوں نے بڑے پیمانے پر اس سے فائدہ اٹھایا۔ عباسیوں کے دعویٰ کو مضبوط بنانے میں اس طرزِ عمل نے بہت اہم کردار ادا کیا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے: محمد قاسم زمان،

Muhammad Qasim Zaman, *The Making of Religious Discourse----An Essay in Making the History and Historiography of the Abbasid Revolution*, (Islamabad: Islamic Research Institute, 1995)

۱۴- محمد بن عبداللہ اپنے مہدی ہونے کے دعویدار تھے۔ اس سلسلہ میں مختلف کتب احادیث و تواریخ میں رسول ﷺ سے بے شمار اقوال ملتے ہیں۔ مثلاً ترمذی کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں جائے گی

دنیا یہاں تک کہ حاکم ہوگا ایک مرد میرے اہلِ بیت میں سے کہ موافق ہوگا اس کا نام میرے نام کے'' (ایک اور جگہ ہے ''اور اس کے والد کا نام میرے والد کے نام کے موافق ہوگا'')۔ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، جامع ترمذی، جلد ا (لاہور : اسلامی اکادمی، سن ندارد) ص۸۴۶۔

یہ روایات اس قدر مختلف النوع ہیں کہ انہیں کسی ایک زمان ومکان پر منطبق کرنا آسان نظر نہیں آتا۔ اس ضمن میں سید امیر علی کا ایک جامع تبصرہ اہمیت کا حامل ہے: ''مذاہب کا کوئی فلسفی مزاج طالب علم ضرور محسوس کرے گا کہ کیا شیعہ اور کیا سنی دونوں کے عقائد پرانے عقائد سے ایک عجیب وغریب مطابقت رکھتے ہیں۔زرتشتیوں کے یہاں سلجوقی حکمرانوں کے جبر وتشدد نے اس عقیدے کو جنم دیا کہ ایک مبعوث من اللہ نجات دہندہ جس کا نام سوسیوش تھا،خراسان سے خروج کرے گا اور انہیں غیر ملکی حکمرانوں کے پنجہ ستم سے نجات دلائے گا۔کچھ اسی قسم کے اسباب نے یہودیوں کے سینوں میں مسیحا کی آمد کی یہ تب وتاب امیدیں پیدا کردیں۔یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ مسیح کا ظہور ابھی نہیں ہوا۔اس طرح سنیوں کا عقیدہ ہے کہ مسلمانوں کا نجات دہندہ ابھی پیدا نہیں ہوا۔ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ نجات دہندہ ایک مرتبہ آکر جاچکا ہے ،لیکن دوبارہ آئے گا۔عیسائیوں کی طرح اثنا عشریہ امام مہدی کے ظہور ثانی کے منتظر ہیں جو دنیا کو شر اور ظلم سے پاک کردیں گے۔جس دور میں امام مہدی کا تصور دو جدا جدا صورتوں میں شکل پذیر ہوا، اس کے مظاہر ان مظاہر سے مشابہ تھے جو قدیم تر مذاہب کی تاریخ میں رونما ہوئے''۔سید امیر علی، دی سپرٹ آف اسلام۔

۱۵- طبری میں نفسِ زکیہ سے ہی ایک روایت آئی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب بنی امیہ کی خلافت متزلزل ہوگئی، اس وقت ایک رات مکہ میں تمام بنی ہاشم کا ایک جلسہ ہوا اور اس میں یہ بحث ہوئی کہ اب آئندہ کے لئے کسے خلیفہ بنایا جائے اور جب میرے لئے تمام ان معتزلہ (عباسی) نے جو وہاں اس وقت موجود تھے، بیعت کی تو ابو جعفر بھی میری بیعت کرنے والوں میں تھا۔طبری، ترجمہ : محمد ابراہیم ندوی، جلد ۷ (کراچی :نفیس اکیڈمی، ۱۹۸۶ء) ص۱۴۲۔

۱۶- متاخرین میں سے حضرت علیؓ کے وصی ہونے کا یہ پہلا اظہار ہے۔اس کے دلائل اس سے قبل بھی درج کئے جاچکے ہیں۔ اس سلسلے میں مزید ایک بیان ابن سعد کا ہے جسے انہوں نے فضیل بن مرزوق سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص اہل بیت کی تعریف میں غلو کرتا تھا۔ حسنؓ کے بیٹے حسن مثنی جو کہ نفس زکیہ کے دادا تھے، نے منع فرمایا تو وہ کہنے لگا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ (جس کا میں مولا ہوں اس کا علی مولا ہے)۔ حسن مثنی نے کہا واللہ اگر رسول ﷺ اس سے خلافت و سلطنت مراد لیتے تو وہ ان لوگوں سے اس کو اسی طرح صاف صاف بیان فرما دیتے، جس طرح آپ ﷺ نے نماز اور زکوٰۃ کو صاف صاف بیان فرما دیا۔ آپ ﷺ ضرور ضرور ان لوگوں سے فرماتے کہ اے لوگو! میرے بعد علیؓ تمہارے ولی ہیں کیونکہ سب لوگوں سے زیادہ امت کے خیر خواہ رسول ﷺ تھے۔ اگر معاملہ اس طرح ہوتا جس طرح تم لوگ کہتے ہو تو اس معاملہ میں حضرت علیؓ سب لوگوں سے زیادہ خطاکار تھے کیونکہ جس امر کا انہیں رسول ﷺ نے حکم دیا انہوں نے اسے ترک کردیا یا اس بارے لوگوں سے معذرت کرلیتے۔ دیکھئے: ابن سعد، طبقات الکبریٰ، جلد ۵ (کراچی: نفیس اکیڈمی، ۱۹۷۹ء)، ص۲۹۹۔

ابو جعفر الی نفس زیہ

بسـم الله الرحمن الرحيم .مـن عبـد الـلـه عبد الله مير الممنين، ل محمد بن عبد الله: "ـنما جزا الذين يـحـاربـون الله ورسوله ويسعون في الرض فسادا ن يقتلوا و يصلبوا و تقطع يديهم ورجلهم من خلاف و ينفوا من الرض ذل لهـم خزى في الدنيا ولهم في الآخر عذاب عظيم لا الذين تابوا من قبل ن تقدروا عليهم فاعلموا ن الله

غفور رحیم "ول علی عهد الله ومیثاقه وذمته وذم رسوله صل الله علیه وسلم ن تبت ورجعت من قبل ن قدر علی ن مـن وجـمیـع ولد وخوت وهل بیت ومن اتبعم عل دمائم وموالم، وسوغ ما صبت من دم و مال، وعطی لف لف درهـم، ومـا سلت من الحوائج، ونزل من البلاد حیث شئت، ون طلق من فی حبـسی من هل بیت، ون من ل من جا وبایع واتبع، و دخل مع فی شی من مر، لم لا تبع حدا منهم بشی ان منه بدا .فن ردت ن تتوثق لنفس، فوجه لی من حببت یخذ ل من المان والعهد والمیثاق ما تثق به.

نفس زیه الی ابی جعفر

بـسـم الله الرحمن الرحیم .مـن عبـد الـلـه المهدی محمد بن عبد الله ل عبد الله بن محمد: "طسـم تل آیـات الـتـاب الـمبین نتلو علی من نـب موس وفرعون بالحق لقوم یمنون ن فرعون علا فی الرض وجعل هلها شیعا یستـضـعـف طـائف مـنهم یذبح بناهم ویستحیی نساهم نه ان من المفسدین ونرید ن نمن عل الذین استضعفوا فی الرض ونجعلهم ئم ونجعلهم الوارثین ونمن لهم فی الرض ونری فرعون وهامان وجنودهما منهم ما انوا یحذرون . "ونـا عـرض علـی مـن الـمـان مثـل الـذی عرضت علی، فن الحق حقنا؛ ونما ادعیتم هذا المر بنا، وخرجتم له بشیعتنا، وحظیتم بفضلنا؛ ون بانا علیا ان الوصی وان المام؛ فیف ورثتم ولایته وولده حیا !لـم قد علمت نه لم یطـلـب هـذا الـمـر حد له مثل نسبنا وشرفنا وحالنا وشرف آبائنا؛ لسـنا من بنا اللعنا ولا الطردا ولا الطلقا، ولیس یـمـت حـد مـن بـنـی هـاشـم بمثل الذی نمت به من القراب والسابق والفضل؛ ونا بنو م رسول الله صل الله علیه وسـلـم فاطم بنت عمرو فی الجاهلی ونبو بنته فاطم فی السلام دون .ن الـلـه اختارنا واختار لنا؛ فوالدنا من النبیین مـحـمـد صـل الـلـه علیه وسلم، ومن السلف ولهم سلاما علی، ومن الزواج فضلهن خدیج الطاهر، وول من صل الـقبـل، ومـن الـبنات خیرهن فاطم سید نسا هل الجن، ومن المولودین فی السلام حسن وحسین سیدا شباب هل الـجـن؛ ون هـاشما ولد علیا مرتین؛ ون عبد المطلب ولد حسنا مرتین ون رسول الله صل الله علیه وسلم ولدنی مـرتین من قبل حسـن وحسـین؛ ونی وسـط بنی هاشم نسبا، وصرحهم بان لم تعرق فی العجم، ولم تنازع فی مهات الـولاد؛ فما زال الله یختار لی الآبا والمهات فی الجاهلی والسلام حت اختار لی فی النار؛ فنا ابن رفع الناس درج فـی الـجن، وهونهم عذابا فی النار، ونا ابن خیر الخیار، وابن خیر الشرار، وابن خیر هل الجن وابن خیر هل النار. ول الله علی ن دخلت فی طاعتی، وجبـت دعوتی ن من عل نفس ومال؛ وعل ل مر حدثته؛ لا حدا من حدود الله و حـقـا لـمـسلم و معاهد؛ فقد علمت ما یلزم من ذل، ونا ول بالمر من ووف بالعهد؛ لن عطیتنی من العهد والمان ما عطیته رجالا قبلی؛ فی المانات تعطینی !مان ابن هبیر، م مان عم عبد الله بن علی، م مان بی مـسـلم !

ابو جعفر الی نفس زیه

بسم الله الرحمن الرحیم .ما بعد، فقد بلغنی لام، وقرت تاب، فذا جل فخر بقراب النسا؛ لتضل به الجفا والـغـوغـا؛ ولـم یجعل الله النسا العموم والآبا، ولا العصب والولیا؛ لن الله جعل العم با، وبد به فی تابه عل الوالد الدنیا .ولـو ان اختیـار الله لهن عل قدر قرابتهن انت آمن قربهن رحما، وعظمهن حقا؛ وول من یدخل الجن غدا؛ ولن اختیار الله لخلقه عل علمه لما مض منهم، واصطفائه لهم.

ومـا مـا ذرت من فاطم م بی طالب وولادتها؛ فن الله لم یرزق حدا من ولدها السلام لا بنتا ولا ابنا؛ ولو ن حـدا رزق الـسـلام بالقراب رزقه عبد الله ولاهم بل خیر فی الدنیا والآخر؛ ولن المر لله یختار لدینه من یشا؛ قال: الله عز وجل: "ن لا تهدی من حببت ولن الله یهدی من یشا وهو علم بالمهتدین "؛ ولقد بعث الله محمدا علیه السلام وله عموم ربع، فنزل الله عز وجل: "ونذر عشیرت القربین . "فنذرهم ودعاهم، فجاب اثنان حدهما بی، وب اثنان حدهما بو؛ فقطع الله ولایتهما منه؛ ولم یجعل بینه وبینهما لا ولا ذز ولا میراثا .وزعمت ن ابن خف هل

النار عذابا وابن خير الشرار؛ وليس في الفر بالله صغير، ولا في عذاب الله خفيف ولا يسير؛ وليس في الشر خيار؛ ولا ينبغي لممن يمن بالله ن يفخر بالنار، وسترد فتعلم: "وسيعلم الذين ظلموا ى منقلب ينقلبون ."

وما ما فخرت به من فاطم م علي ون هاشما ولده مرتين، ومن فاطم م حسن، ون عبد المطلب ولده مرتين؛ ون النبي صل الله عليه وسلم ولد مرتين؛ فخير الولين والآخرين رسول الله صل الله عليه وسلم ولم يلده هاشم لا مر ولا عبد المطلب لا مر.

وزعمت ن وسط بني هاشم نسبا، وصرحهم ما وبا؛ ونه لم تلد العجم ولم تعرق في مهات الولاد؛ فقد ريت فخرت عل بني هاشم طرا؛ فانظر ويح ين نت من الله غدا !فن قد تعديت طور، وفخرت عل من هو خير من نفسا وبا وولا وآخرا، براهيم بن رسول الله صل الله عليه وسلم وعل والد ولده؛ وما خيار بني بي خاص وهل الفضل منهم لا بنو مهات ولاد، وما ولد فيم بعد وفا رسول الله صل الله عليه وسلم فضل من علي ابن حسين؛ وهو لم ولد؛ ولهو خير من جد حسن بن حسن؛ وما ان فيم بعده مثل ابنه محمد بن علي، وجدته م ولد؛ ولهو خير من بي، ولا مثل ابنه جعفر وجدته م ولد؛ ولهو خير من.

وما قول: نم بنو رسول الله صل الله عليه وسلم؛ فن الله تعال يقول في تابه: "ما ان محمد با حد من رجالم "، ولنم بنو ابنته؛ ونها لقراب قريب؛ ولنها لا تحوز الميراث، ولا ترث الولاى، ولا تجوز لها المام؛ فيف تورث بها !ولقد طلبها بو بل وجه فخرجها نهارا، ومرضها سرا، ودفنها ليلا؛ فب الناس لا الشيخين وتفضيلهما؛ ولقد جات السن التي لا اختلاف فيها بين المسلمين ن الجد با الم والخال والخال لا يرثون.

وما ما فخرت به من علي وسابقته، فقد حضرت رسول الله صل الله عليه وسلم الوفا، فمر غيره بالصلا، ثم خذ الناس رجلا بعد رجل فلم يخذوه؛ وان في الست فتروه لهم دفعا له عنها، ولم يروا له حقا فيها؛ ما عبد الرحمن فقدم عليه عثمان، وقتل عثمان وهو له متهم، وقاتله طلح والزبير، وب سعد بيعته، وغلق دونه بابه، ثم بايع معاوى بعده .ثم طلبها بل وجه وقاتل عليها، وتفرق عنه صحابه، وش فيه شيعته قبل الحوم، ثم حم حمين رضى بهما، وعطاهما عهده وميثاقه، فاجتمعا عل خلعه .ثم ان حسن فباعها من معاوى بخرق ودراهم ولحق بالحجاز؛ وسلم شيعته بيد معاوى ودفع المر ل غير هله؛ وخذ مالا من غير ولائه ولا حله؛ فن ان لم فيها شي فقد بعتموه وخذتم ثمنه .ثم خرج عم حسين بن علي عل ابن مرجان، فان الناس معه عليه حت قتلوه، وتوا برسه ليه، ثم خرجتم عل بني مي، فقتلوم وصلبوم عل جذوع النخل، وحرقوم بالنيران، ونفوم من البلدان؛ حت قتل يحى بن زيد بخراسان؛ وقتلوا رجالم وسروا الصبي والنسا، وحملوهم بلا وطا في المحافل السبي المجلوب ل الشم؛ حت خرجنا عليهم فطلبنا بثرم، ودرنا بدمائم وورثنام رضهم وديارهم، وسنينا سلفم وفضلناه، فاتخذت ذل علينا حج.

وظننت نا نما ذرنا با وفضلناه للتقدم منا له عل حمز والعباس وجعفر؛ وليس ذل ما ظننت؛ ولن خرج هلا من الدنيا سالمين، متسلما منهم، مجتمعا عليهم بالفضل، وابتلي بو بالقتال والحرب؛ وانت بنو مي تلعنه ما تلعن الفر في الصلا المتوب، فاحتجنا له، وذرناهم فضله، وعنفناهم وظلمناهم بما نالوا منه .ولقد علمت ن مرمتنا في الجاهلي سقاى الحجيج العظم، وولاى زمزم؛ فصارت للعباس من بين خوته؛ فنازعنا فيها بو، فقض لنا عليه عمر، فلم نزل نليها في الجاهلي والسلام؛ ولقد قحط هل المدين فلم يتوسل عمر ل ربه ولم يتقرب ليه لا بينا، حت نعشهم الله وسقاهم الغيث، وبو حاضر لم يتوسل به؛ ولقد علمت نه لم يبق حد من بني عبد المطلب بعد النبي صل الله عليه وسلم غيره؛ فان وراثه من عمومته، ثم طلب هذا المر غير واحد من بني هاشم فلم ينله لا ولده؛ فالسقاى سقايته وميراث النبي له، والخلاف في ولده، فلم يبق شرف ولا فضل في جاهلي ولا سلام في دنيا ولا

آخر لا والعباس وارثه ومورثه.

وما ما ذرت من بدر؛ فن السلام جا والعباس يمون با طالب وعياله، وينفق عليهم للزم التي صابته؛ ولولا ن العباس خرج ل بدر ارها لمات طالب وعقيل جوعا، وللحساجفان عتب وشيب؛ ولنه ان عقيلا يوم بدر؛ فيف تفخر علينا وقد علنام في الفر، وفدينام من السر، وحزنا عليم مارم الآبا، وورثنا دونم خاتم النبيا، وطلبنا بثرم فدرنا منه ما عجزتم عنه؛ ولم تدروا لنفسم !والسلام علي ورحم الله.

ابن سعد کی عبارت حاشیه

خبرني الفضيل بن مرزوق قال: سمعت الحسن بن الحسن يقول لرجل ممن يغلو فيهم فقال له الرافضي: لم يقل رسول الله، عليه السلام، لعلي من نت مولاه فعلي مولاه؟ فقال: ما والله ن لو يعني بذل المر والسلطان لفصح لهم بذل ما فصح لهم بالصلا والزا وصيام رمضان وحج البيت ولقال لهم يها الناس هذا وليم من بعدي فن نصح الناس ان للناس رسول الله، صل الله عليه وسلم، ولو ان المر ما تقولون ن الله ورسوله اختارا عليا لهذا المر والقيام بعد النبي، عليه السلام، ن ان لعظم الناس في ذل خطء وجرما ذ تر ما مره به رسول الله، صل الله عليه وسلم، ن يقوم فيه ما مره و يعذر فيه ل الناس.

۱۸- یہ اس طرف اشارہ ہے کہ جنگِ بدر میں عباسؓ مشرکین کی طرف سے لڑے اور قید ہوگئے اور انہیں فدیہ دے کر رہائی ملی تھی۔

۱۹- حضرت علیؓ کی والدہ فاطمہؓ بنت اسد، ہاشم کی پوتی تھیں جب کہ ان کے والد ابو طالب بھی ہاشم کے پوتے تھے۔

۲۰- فاطمہؓ بنت رسول اور حضرت علیؓ کی طرف سے۔

۲۱- نفس زکیہ حسنؓ کے پڑپوتے تھے(محمد بن عبداللہ بن حسن بن الحسنؓ بن علیؓ) جب کہ ان کے دادا حسن مثنی بن حسنؓ کی بیوی فاطمہ حسینؓ بن علیؓ کی بیٹی تھیں، جو کہ نفس زکیہ کے والد عبداللہ کی ماں اوراس طرح سے نفس زکیہ کی دادی تھیں۔ دیکھیے؛ ابن حزم الاندلسی، *جمہرۃ الانسان العرب*، (بیروت: دارالکتب العلمیہ،۲۰۰۳ء) ص۴۱۔

۲۲- امِ ولد کی جمع مراد وہ کنیز جس کے بطن سے اولاد ہو جائے۔نفسِ زکیہ کے اس دعوٰی نے زید بن علی کے حصولِ خلافت کی کوشش کو بھی باطل قرار دے دیا کیونکہ وہ بھی لونڈی زادے تھے۔ایضاً۔

۲۳- اس حدیث کی بنا پر جو ابو طالب کے بارے میں رسولﷺ کی زبان سے وارد ہوئی، ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسولﷺ نے فرمایا کہ سب سے ہلکا عذاب جہنم کا ابو طالب کوہوگا۔ وہ دو جوتیاں پہنے ہوں گے، ایسی جن سے ان کا بھیجا پکے گا۔امام مسلم، حوالہ سابقہ، ص۳۴۹۔

۲۴- بنی عباس اپنے حریفوں کو امان کم ہی دیا کرتے تھے اور اس سلسلہ میں سب سے زیادہ سختی بنی امیہ پر کی گئی، جب خلافت ملنے پر السفاح نے ان کا قتلِ عام کیا لیکن اس طرح کا کوئی طرزِ عمل علویوں کے ضمن میں دکھائی نہیں دیتا۔ بنوعباس کے دور میں علویوں کی جانب سے ہونے والی تمام بغاوتوں میں گرفتار ہونے کی صورت میں مدعی کو خلیفہ کی طرف سے معافی سے نوازا گیا۔ مقتول صرف وہی ہوئے جنھوں نے لڑتے ہوئے جان دی۔علویوں کے حوالے سے بنی عباس کی اس پالیسی میں کوئی استثنا نہیں پایا جاتا۔ مامون کو سب سے زیادہ ان بغاوتوں کا سامنا رہا۔ اس کے باوجود اس نے عباسیوں کی ناراضگی کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے امام علی رضا کو اپنا ولی عہد مقرر کیا۔دیکھیے؛ شبلی نعمانی، *المامون*، (لاہور: اسلامی اکادمی، سن ندارد)، ص ۷۷۔

امویوں کی طرف سے عراق کا عامل تھا، عباسیوں سے شکست کے باعث ان کا ہمنوا ہوگیا۔ شاہ معین الدین

احمد، تاریخ اسلام، جلد دوم، ص ۲۳۵۔

۲۵- بلاذری نے قرآن کی وہ آیت بھی درج کی ہے جس کی طرف منصور نے اشارہ کیا۔ سورہ بقرہ کی آیت ۱۳۳، نعبد الهک و اله ابائک ابراهیم و اسماعیل و اسحاق۔ یعقوب علیہ السلام اپنی اولاد سے مخاطب ہیں اور وہاں پر ان کے چچا اسماعیل علیہ السلام کا ذکر ہوا۔ یہ بلاذری کا بیان ہے جبکہ طبری میں اس آیت کا حوالہ نہیں دیا گیا۔ یہ آیت مذکورہ دعویٰ کی تائید مشکل سے کرتی ہے۔ لہٰذا یہ بلاذری کی اپنی ایک قرآنی تائید (Innovation) معلوم ہوتی ہے۔ محمد قاسم زمان نے اپنی کتاب کے دوسرے حصے میں اسی چیز کو بحث کا محور بنایا ہے کہ تواریخ میں عباسیوں کی دعوت کے ضمن میں جن قرآنی آیات کا حوالہ دیا جاتا ہے کہ عباسی ولاۃ نے اپنے دعویٰ کی تائید میں بیان کیں وہ واقعتاً عباسی ولاۃ نے پیش کی تھیں یا پھر عباسیوں کے حمایتی مورخین نے اپنی طرف سے تاریخی تذکروں میں درج کردی تھیں۔ اس میں فاضل مصنف نے بعض روایات کو مورخین سے منسوب کیا ہے کیونکہ بقیہ شواہد اس بات کی تائید نہیں کرتے کہ عباسیوں نے ان آیات کو اپنی دعوت میں پیش کیا ہو۔ بلاذری کا اس آیت کو بیان کرنا بھی اسی طرح کا طرزِ عمل دکھائی دیتا ہے۔ دیکھئے؛ محمد قاسم زمان، حوالہ سابقہ، ص ۳۷-۵۶۔

عبداللہ بن علی ابو جعفر منصور کا چچا تھا اور اپنے آپ کو خلافت کا اہل تصور کرتا تھا۔ اس کے لئے اس نے باقاعدہ فوج کشی کی۔ ابو مسلم خراسانی نے اسے شکست دی اور منصور سے اس کیلئے امان لکھوالی، لیکن منصور نے اسے بعد میں قید کر دیا اور قید ہی کی حالت میں اس کی وفات ہوئی۔ ایضاً، جلد سوم، ص ۱۵۔

۲۶- رسول اللہ ﷺ کی دادی فاطمہ بنت عمر سے عبدالمطلب کے تین لڑکے زبیر، ابو طالب اور عبداللہ تھے، جب کہ پانچ لڑکیاں تھیں، ان میں سے کوئی بھی اسلام کی دولت سے بہرہ ور نہ ہوسکا۔ ابو مسلم خراسانی نے اہل بیت کے نام پر امویوں سے جنگ کی اور ہاشمیوں کے لئے مسند خلافت کی راہ ہموار کی لیکن جب عباسی اقتدار پر قابض ہو گئے تو ابو مسلم نے ان کے خاتمہ کی ٹھانی۔ منصور کو اس کا اندازہ ہو گیا اور اس نے معمول کی ملاقات میں اسے قتل کروا دیا۔ ایضاً، ص ۱۷۔

۲۷- حمزہؓ اور عباسؓ نے اسلام قبول کرلیا تھا جب کہ ابو لہب اور ابو طالب نے انکار کردیا تھا۔

۲۸- رسول ﷺ صرف والد کی طرف سے عبدالمطلب اور ہاشم کے بیٹے تھے۔

۲۹- اشارہ ماریہ قبطیہؓ کی طرف ہے جو عزیز مصر شاہ مقوقس کی طرف سے رسول ﷺ کی خدمت میں بھیجی گئی تھیں۔ اس حوالے سے ابراہیم کنیز زادے ہوئے۔ اس ضمن میں وہ واقعہ زیادہ قابلِ ذکر ہے جب زید بن علی کو ہشام بن عبدالملک نے کہا تھا کہ تم کنیز زادے ہوکر خلافت کی آرزو رکھتے ہو تو انہوں نے جواباً اسماعیلؑ کا حوالہ دیا تھا کہ وہ بھی لونڈی زادے تھے۔ طبری، حوالہ سابقہ، ص ۱۳۷۔

۳۰- یہ اشارہ ہے حسن مثنیٰ کے بیٹوں جعفر اور داؤد کی طرف جو کہ ایک لونڈی بریرہ کے بطن سے تھے۔

۳۱- علی بن الحسین المعروف بہ زین العابدین بجستان کی ایک کنیز سلافہ کے بطن سے تھے۔

۳۲- زین العابدین کے بیٹے امام محمد باقر مراد ہیں۔

۳۳- امام باقر کے بیٹے جعفر الصادق مراد ہیں جو کہ فقہ جعفریہ کے امام ہیں اور نظریہ امامت کی ابتدا کو ان سے منسوب کیا جاتا ہے۔ دیکھئے، دی انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، حوالہ سابقہ اور اردو دائرہ معارف اسلامیہ، حوالہ سابقہ۔

۳۴- ایک اور جگہ فاخرجها تخاصم کے الفاظ آئے ہیں یعنی انہوں نے جھگڑے کے لئے فاطمہؓ کو نکالا۔ دیکھئے؛ العصامی، سمط النجوم العوالی فی انبا الاوائل والتوالی، جزء ۲ (بیروت: کتب شاملہ)، ص ۳۶۵۔ ان نکات کی ایک ممکنہ تشریح بخاری کی درج ذیل روایت سے ہوتی ہے جو عائشہؓ سے مروی ہے؛ وہ مختصراً اس طرح سے ہے کہ فاطمہؓ نے

ابوبکرؓ سے آنحضرت ﷺ کا ترکہ مانگا ان مالوں میں سے جو اللہ نے آپ ﷺ کو مدینہ، فدک اور خیبر کے مالوں میں سے عنایت فرمائے تھے۔ ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ رسول ﷺ نے یوں فرمایا ہے ہم پیغمبروں کا کوئی وارث نہیں ہوتا اور جو ہم مال چھوڑ جائیں وہ سب صدقہ ہے۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ آپ ﷺ کی اولاد اسی مال میں سے کھائیں گے اور میں تو رسول ﷺ کی خیرات اسی حال پر رکھوں گا جیسا کہ وہ آپ ﷺ کی زندگی میں تھی۔ اس پر فاطمہؓ کو ان پر غصہ آیا اور مرنے تک ان سے بات نہ کی۔ جب ان کی وفات ہوئی تو حضرت علیؓ نے انہیں رات ہی میں دفن کردیا اور ابوبکر کو اس کی اطلاع نہ کی۔ جب تک وہ زندہ تھیں تو لوگ حضرت علیؓ کو توجہ دیا کرتے تھے لیکن ان کے بعد حضرت علیؓ نے لوگوں کا رویہ بدلا محسوس کیا، اس پر وہ ابوبکرؓ سے صلح کرنے اور بیعت کرنے پر تیار ہوگئے۔ انہوں نے ابوبکرؓ سے کہا کہ ہم آپ کی فضیلت کے قائل ہیں اور آپ سے کچھ حسد نہیں کرتے۔ ہمارا مسئلہ یہ تھا کہ آپ امر خلافت میں ہم سے بھی مشورہ طلب کریں گے۔ انہوں نے برسر منبر ابوبکرؓ کی بیعت کرلی۔ دیکھئے؛ محمد بن اسماعیل بخاری، *صحیح بخاری*، جلد ۲ (لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ۱۹۹۹ء) ص۶۷۶-۶۷۷۔

۳۵- اس کا باعث یہ تھا کہ قاتلین عثمانؓ نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی تھی اور آپ کے اعوان و انصار کے طور پر نمایاں ہوگئے تھے۔ ان میں اشترنخعی کا نام قابلِ ذکر ہے جو حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش کا سرغنہ تھا۔ حضرت علیؓ نے اسے موصل کا گورنر نامزد کیا۔ حضرت علیؓ کے مخالف صحابہؓ کا مطمحِ نظر یہ تھا کہ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کے قتل میں شریک نہیں لیکن انہوں نے قاتلوں کو پناہ ضرور دے رکھی ہے۔ جنگِ جمل اور جنگِ صفین کا سبب حضرت علیؓ کا قاتلین کے بارے میں سکوت تھا۔ اس کے لئے ملاحظہ کیجئے، سیدابوالاعلیٰ مودودی، *خلافت وملوکیت* (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، ۱۹۶۶ء) ص۱۲۳۔

۳۶- اہل السنت حضرت علیؓ کو بالاتفاق چوتھا خلیفہ راشد تسلیم کرتے ہیں، لیکن جاننا چاہیے کہ یہ تاریخ سے زیادہ عقیدہ کا مسئلہ ہے۔ ایسا حضرت علیؓ کے فضل و منقبت کے پیش نظر ہوا جب کہ تاریخی کوائف حضرت علیؓ کی بیعت کو جزوی قرار دیتے ہیں۔ حکمین کے مسئلہ کا کھڑا ہونا اور اس کے فیصلے کے نتیجہ میں حضرت علیؓ کو معزول قرار دینا اس چیز کا فی الواقعہ ثبوت ہے جسے کہ ابوجعفر منصور نے دلیل کے طور پر پیش کیا۔ ابو موسیٰ اشعریؓ کا حضرت علیؓ کو معزول کرنا اور عمرو بن العاص کے خطاب کرنے سے قبل سب حاضرین کا اس کو قبول کرلینا یہ ظاہر کرتا ہے کہ رائے عامہ، جن میں اکابرین بھی شامل تھے، حضرت علیؓ کی بیعت کو قائم نہیں سمجھتی تھی۔ مزید براں حکمین کے مسئلہ کی بھی سادہ سی توجیہہ کی جاتی ہے کہ یہ عمرو بن العاص کی دھوکہ دہی پر مشتمل تھا۔ مختلف تواریخ کا مطالعہ اس کی ایک مختلف تصویر کشی کرتا ہے۔

۳۷- وظائف قبول کرنے کا یہ معاملہ حضرت حسنؓ تک محدود نہ تھا بلکہ اس کے بعد اس قدر تواتر سے جاری رہا کہ یہ چیز ایک تاریخی رائے کی صورت اختیار کرگئی۔ *اردو دائرہ معارف* کی عبارت کے مطابق، ''۶۸۰ء میں کربلا کے واقعہ ہائلہ اور امام حسینؓ اور دوسرے بہت سے علویوں کی شہادت کے بعد علوی مدعیان خلافت نہ صرف سیاسی طور پر پرسکون ہوگئے بلکہ انہوں نے حکمران خاندان کو تسلیم کرلیا اور بعض اوقات اس کی مدد بھی کی۔۔۔ انہوں نے جو اقدامات کئے وہ صرف قانونی چارہ جوئی کی نوعیت کے تھے اور ان کا تعلق ان کی جاگیروں سے تھا نہ کہ ان کے سیاسی حقوق سے''۔ ''علویہ''، حوالہ سابقہ، *اردو دائرہ معارف اسلامیہ*۔ اسی طرح ابن سعد میں عبداللہ بن جعفر سے روایت ہے کہ سالم حاجب اور مولائے ہشام (بن عبدالملک) نے ہشام کو زید بن علی کے بارے میں کچھ بتایا تو ہشام نے کہا کہ تیری ماں تجھ پر روئے آج سے پہلے مجھے اس کے متعلق کیوں نہ خبر دی۔ جو چیز زید کو راضی کرسکتی تھی وہ صرف پانچ لاکھ درہم تھے؛ یہ ہم پر اس سے بہت زیادہ آسان تھا جس کی طرف

زید گئے۔ دیکھئے؛ محمد بن سعد، حوالہ سابقہ، ص۳۰۳۔

۳۸- ابن مرجانہ سے مراد عبیداللہ بن زیاد (۲۸ھ تا ۶۷ھ) ہے جسے یزید نے کوفہ کا گورنر مقرر کیا تھا۔ اسے ابن مرجانہ اس کی ماں کی نسبت سے کہا جاتا ہے جو کہ عجمی تھی۔ زرکلی نے الاعلام میں اس کا اس طرح سے ذکر کیا ہے، ''عبیداللہ کے لہجے میں فارسی لکنت تھی جو کہ اس کی ماں کے پہلے خاوند شیرویہ کے باعث تھی، لہٰذا وہ 'حروری' کو 'ھروری' بولا کرتا تھا۔ اس کا علاقہ خراسان تھا اور اس کی ماں کو بخاریہ بھی کہا جاتا تھا''۔ جلد ۴ (بیروت: کتب شاملہ، کمپیوٹر سافٹ وئیر) ص۱۹۳۔ لیکن اس کی نسبت عام طور پر زیاد بن سمیۃ کی طرف کی جاتی ہے۔ بعینہٖ معاملہ زیاد کا تھا کہ وہ اپنی ماں سمیۃ کی نسبت سے جانا جاتا تھا لیکن بعد میں وہ زیاد بن ابو سفیان کی نسبت سے جانا گیا۔ حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کی کشمکش میں زیاد علیؓ کی طرف سے عراق کا گورنر تھا لیکن حسنؓ کی دستبرداری کے بعد امیر معاویہؓ نے اسے اپنے باپ کی اولاد قرار دیا اور اپنی طرف ملا لیا۔ زیادہ کے ازدہاۃ العرب تھا۔ لہٰذا زیاد کی طرف نسبت کرنے سے عبیداللہ بنو امیہ میں شمار ہوتا تھا لیکن شاید یزید اسے بنوامیہ میں شمار نہیں کرتا تھا شاید اسی وجہ سے جب حسینؓ کی شہادت کی خبر پہنچی تو یزید نے کہا تھا کہ ابن مرجانہ کا براہو اگر وہ انہیں قتل نہ کرتا تو میں اس سے خوش ہوتا۔

۳۹- یہ اشارہ ہے یزید کی خلافت کی طرف کیونکہ ابن مرجانہ اس کا گورنر تھا۔ یزید کی ولی عہدی پر عبداللہؓ بن زبیرؓ اور حسینؓ کے علاوہ کوئی مزاحم نہ ہوا۔ عبداللہ بن عمرؓ، یزید کی بیعت کرنے والوں میں سے تھے۔ کتب کے مطالعے سے یزید کے عہد میں دو سو سے زائد صحابہؓ کا حیات ہونا ثابت ہوتا ہے جو یزید کے حلقہ بیعت میں تھے۔ حلقہ بیعت میں ہونے سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے یزید کی ولی عہدی پر کوئی مزاحمت نہیں کی تھی اور یہی چیز بیعت کے مترادف تھی۔ ان حضرات سے اہتمام کے ساتھ بیعت نہیں لی گئی تھی۔

۴۰- حضرت علیؓ کے طرفداروں کا معاملہ عجیب رہا ہے۔ زیاد کے متعلق بیان ہو چکا کہ وہ حضرت علیؓ کا طرفدار تھا اور بعد میں اس نے امیر معاویہ سے سمجھوتہ کرلیا۔ اسی طرح ایک وقت میں مروان بن الحکم جو کہ اموی خلافت کا اصل بانی تھا، حضرت علیؓ کا طرفدار تھا۔ بعینہٖ شمر ذی الجوشن بھی حضرت علیؓ کا رشتہ دار تھا۔ وہ آپ کی بیوی ام البنین کا ماموں زاد تھا۔ ام البنین سے حضرت علیؓ کے بیٹے عباس (علمدار) اپنے دو بھائیوں جعفر اور عثمان کے ساتھ حسینؓ کی طرف سے لڑ کر شہید ہوئے۔ شمر ان کے لئے ابن زیاد سے امان بھی لایا تھا کہ وہ اس کی بہن کے بیٹے ہیں لیکن عباس نے امان قبول نہ کی۔ *طبری*، حوالہ سابقہ، ص۹۹۹۔

۴۱- یہ ایک اور اختلافی مسئلہ ہے کیونکہ اس سلسلہ میں آنے والی اکثر روایات بُرائی کی نوعیت کو پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ اس مسئلہ کے تقابلی جائزے کے لئے ملاحظہ ہو، حافظ صلاح الدین یوسف، *خلافت و ملوکیت کی تاریخی و شرعی حیثیت* (لاہور: مکتبہ نعمانیہ، ۱۹۸۵ء) اور، ملک غلام علی، *'خلافت و ملوکیت' پر اعتراضات کا جائزہ* (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، ۱۹۹۱ء)

۴۲- اس کا ذکر طبقات اور تاریخ کی مختلف کتابوں میں پایا جاتا ہے۔ زہری سے روایت ہے وہ ابی طفیل کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے سقایت کے معاملہ میں عباسؓ سے جھگڑا کیا تو طلحہ، عامر بن مخرمہ اور ازھر بن عوف نے اس بات کی گواہی دی کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن اسے (سقایت) عباسؓ کو تفویض کیا تھا۔ دیکھئے؛ ابن حجر عسقلانی، *الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ*، جز۲ (بیروت: کتب شاملہ، کمپیوٹر سافٹ وئیر) ص۹۰۔ اس کے علاوہ مغازی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سقایت عباسؓ کو تفویض کی اور وہ بنی عبدالمطلب کے ہوتے ہوئے جاہلیت میں اس کے والی تھے جب کہ ان کی اولاد بعد میں۔ محمد بن الحنفیہ نے اس سلسلہ میں ابن عباس سے کلام کیا تو انہوں کہا کہ اس میں تمہارا کیا ہے؟۔ اس میں تو ہم جاہلیت میں بھی پہلے تھے، اور

تمہارے باپ (حضرت علیؓ) نے بھی اس مسئلہ کو اٹھانا چاہالیکن طلحہ بن عبیداللہ، عامر بن ربیعہ، ازھر بن عوف اور مخرمہ بن نوفل نے معاملہ واضح کردیا کہ رسول اللہﷺ نے انہیں یہ منصب عطا کیا ہے۔ دیکھئے، محمد بن عمر الواقدی، *المغازی*، جز۱(بیروت: کتب شاملہ، کمپیوٹر سافٹ وئیر)ص۹۳۳۔

۴۳- صحیح بخاری میں انسؓ سے روایت ہے کہ عمرؓ کے زمانے میں جب قحط پڑا کرتا تو عباسؓ کے وسیلے سے دعا کرتے اور کہتے، یااللہ ہم پہلے تیرے پاس اپنے پیغمبر کا وسیلہ لایاکرتے تھے تو تو پانی برساتا تھا اب اپنے پیغمبر کے چچا کا وسیلہ لاتے ہیں؛ ہم پر پانی برسا۔ راوی نے کہا کہ پھر پانی برستا۔ حوالہ سابقہ، جلد۱، ص۴۶۷۔

۴۴- طبری، حوالہ سابقہ، ص ۴۵۔۱۵۲۵۔

۴۵- ایضاً۔

۴۶- ضیاء الدین اصلاحی، *تذکرہ المحدثین*، (اسلام آباد:نیشنل بک فاؤنڈیشن،۱۹۸۹ء)ص ۲۲۔

۴۷- امیر حسن صدیقی، حوالہ سابقہ، ص۱۱۰۔

۴۸- علامہ سیوطی نے اس روایت کوکہ خلافت کاامر بنی عباس میں رہے گا، کئی حوالوں سےنقل کیا ہے لیکن ہر ایک میں کوئی نہ کوئی راوی ضعیف ہے۔ملاحظہ کیجئے ،سیوطی ،حوالہ سابقہ،ص۵۶۔ نیز دیکھئے؛ قمرالدین خان، ''مسئلہ خلافت''،قرونِ وسطیٰ کے مسلمانوں کے سیاسی نظریئے (لاہور: بزمِ اقبال،۱۹۸۵ء)ص۱۶۸۔

۴۹- لیونارڈ بائنڈر، ''غزالی کا نظریہ حکومت اسلامی''،قرونِ وسطیٰ کے مسلمانوں کے سیاسی نظریئے، حوالہ سابقہ،ص۱۹۔

۵۰- اشتیاق حسین قریشی، *سلطنت دہلی کا نظم حکومت*، اردو ترجمہ (کراچی : کراچی یونیورسٹی، ۱۹۶۱ء)ص۲۹۔

۵۱- امام ابو حنیفہؒ کے لئے دیکھئے ،محمد ابوزہرہ مصری،امام ابو حنیفہ، مترجم:رئیس احمد جعفری(لاہور:شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز،۱۹۶۲ء)ص۵۷۔جبکہ امام مالکؒ کے لئے ،ضیاء الدین اصلاحی،حوالہ سابقہ۔ امام ابوحنیفہ کا سیاسی مسلک علویوں کے دعاوی کے حوالے سے بہت اہم رہا ہے کیونکہ انہوں نے زید بن علی کی امویوں کے خلاف بغاوت اورنفس زکیّہ کی عباسیوں کے خلاف بغاوت کی حمایت کی تھی لیکن خود اس میں شریک ہونے سے احتراز کیا۔ اسلامی تاریخ پر لکھنے والے کئی مصنفین نے امام صاحب کے اس طرزعمل کو اپنی بحث کا حصہ بنایا ہے۔ ہر کسی نے یہی نتیجہ اخذ کیا کہ امام صاحب کا سیاسی مسلک چوک سے مبرا اور ہر لحاظ سے ایک جہا د تھا، جس کی بعد میں انہیں سزا بھی بھگتنی پڑی۔اس رائے کو قائم کرنے میں بڑے معتبر نام آتے ہیں۔ان میں سرِ فہرست سید مناظر احسن گیلانی ہیں، جن کی کتاب کا عنوان ہی ''امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی'' ہے۔جبکہ ان کے لائق اور قابل شاگرد ڈاکٹر محمد حمیداللہ نے بھی اپنے خطبات میں اس پر رائے زنی کی ہے۔شبلی نعمانی کی ''سیرت النعمان'' مصنف کی قابلیت کے حوالے سے ایک معتبرلیکن منفرد رائے ہے۔وہ سرے سے اس چیز کے قائل ہی نہیں کہ امام صاحب نے بغاوت کرنے والوں کی کسی قسم کی مدد کی تھی۔ ملاحظہ کیجئے، شبلی نعمانی''سیرت النعمان'' (لاہور:ایم ثناء اللہ خان،سن ندارد)ص۴۷۔شبلی نعمانی کی رائے اس حوالے سے معتبر معلوم ہوتی ہے کہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک کی تائید علویوں کی کامیابی میں طاقتور ترین عامل ثابت ہوسکتی تھی لیکن ان کی زبردست ہزیمت اس امر کو محال کردیتی ہے کہ ان آئمہ کرام نے علویوں کی کھل کر حمایت کی تھی۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ اس وقت امام جعفر صادق بھی زندہ تھے لیکن انہوں نے زید بن علی کی کسی قسم کی کوئی مدد نہیں کی اور تمام آئمہ اثنا عشریہ کی یہی روش رہی کہ انہوں نے خلافت وقت کے خلاف ہونے والی بغاوتوں میں کسی قسم کی کوئی مدد فراہم نہیں کی۔ دیکھئے ''علویہ''، حوالہ سابقہ۔

۵۲- اس بات کا اظہار ابو سعید خدریؓ کے حضرت علیؓ کے اس بیان کونقل کرنے سے ہوتا ہے جو انہوں نے حسینؓ کو نصیحت کرتے وقت انہیں یاد دلایا تھا(ان کی کوفہ روانگی کے وقت)۔وہ اس طرح سے ہے ''خدا کی قسم میں ان

سے اکتا گیا ہوں اور میں ان سے نفرت کرتا ہوں اور وہ مجھ سے اکتا گئے ہیں اور مجھ سے نفرت کرتے ہیں اور ان میں قطعاً وفا نہیں اور جو ان میں کامیاب ہوا ہے وہ ناکام کرنے والے تیر سے کامیاب ہوا ہے۔ خدا کی قسم نہ ان کی کوئی نیت ہے اور نہ کسی امر کے بارے میں ان کا کوئی عزم ہے اور نہ تلوار پر کوئی صبر ہے''۔ دیکھئے، ابن کثیر، *البدایہ والنہایہ*، جلد ۸ (کراچی: نفیس اکیڈمی، ۱۹۷۹ء) ص ۱۰۳۲۔

۵۳- بنارسی پرشاد سکسینا، *ہسٹری آف شاہ جہان آف دہلی* (لاہور: بک ٹریڈرز) مغل استبداد کے بارے میں رقمطراز ہیں:

If the will of sovereign have always been exercised arbitrarily, the Mughul government could not have lasted so long. The resisting power of the masses was much stronger than it is now. p 269.

۵۴- عبداللہ باطنی نظام کا بانی تھا جبکہ اس تحریک کی بنیاد پر قائم ہونے والی خلافت کا پہلا فرمانروا عبیداللہ المہدی تھا۔

۵۵- عباسیوں کے زوال کا آغاز واثق باللہ کی وفات (۲۳۴ء) سے شروع ہوتا ہے، جب متوکل مسند خلافت پر متمکن ہوا۔ یہ عباسیوں میں سب سے پہلا عیش پسند خلیفہ تھا۔ ۲۳۴ء سے ۴۲۷ھ کا عرصہ اسماعیلیوں کی دعوت کے جڑ پکڑنے کا عرصہ ہے جو کہ عباسیوں کے انحطاط کا دوراول ہے۔ اس دور میں عباسیوں کے مقابلہ میں خلافت کا اعلان صرف فاطمیوں کا طرہ ہی نہ تھا بلکہ اندلس میں امویوں اور مغرب الاقصیٰ میں موحدین نے بھی امیر المومنین کے القابات اپنائے تھے۔ ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن، *النظم الاسلامیہ*، مترجم: علیم اللہ صدیقی (کراچی: دارالاشاعت، سن ندارد) ص ۱۰۴، ۶۷۔

۵۶- فلپ۔کے۔ہٹی، ہسٹری آف دی عربز (ہانگ کانگ: میکملن ایجوکیشن لمیٹڈ، ۱۹۹۳ء) ص۔ ۶۴۷۔ نیز دیکھئے، قمرالدین خان، حوالہ سابقہ، ص ۱۱۷۔

۵۷- سید امیر علی، حوالہ سابقہ۔

۵۸- لیونارڈ بائنڈر، حوالہ سابقہ، ص ۲۹۔

۵۹- رئیس احمد جعفری، تاریخ دولت فاطمہ، (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۶۵ء) ص ۶۱۷، ۱۹۷، ۱۷۷۔

۶۰- نفس زکیہ اور ابو جعفر منصور نے اپنے جو مراتب گنوائے اور جس طرح سے مخالف فریق پر طعن کو دراز کیا، اس سے اسلامی معاشروں میں نسب پر تفاخر کی ایک نہ ختم ہونے والی روایت چل نکلی۔ دینِ اسلام جو نسلی تفاخر کو ختم کرنے آیا تھا، اس کے پیروکار بری طرح سے اس کا شکار ہوگئے اور یہ طرز عمل ہنوز باقی ہے۔ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا، '' لوگوں میں دو باتیں موجود ہیں اور وہ کفر ہیں۔ ایک نسب پر طعن کرنا، دوسرا میت پر چلا کر رونا''۔ امام مسلم، *صحیح مسلم*، جلد اول (لاہور: مکتبہ نعمانیہ، ۱۹۸۱ء) کتاب الایمان، ص ۱۶۵۔